www.mohaddis.com

310

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

مئی ۲۰۰۷ء

۲ 'معروف ومنکر' اور جاوید احمد غامدی
۴۰ امام صنعانیؒ اور روایتِ حدیث؟
۸۰ تذکرہ مولانا عبدالغفار حسن

مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

جلد ۳۹ رشمارہ ۵
ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
مئی ۲۰۰۷ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زرسالانہ ۲۰۰ روپے
فی شمارہ ۲۰ روپے

بیرون ملک
زرسالانہ ۲۰ ڈالر
فی شمارہ ۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ :
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
5866476
5866396
Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر

'معروف ومنکر' اور جاوید احمد غامدی — حافظ محمد زبیر — ۲
جامعہ حفصہ کی کہانی؛ اخبارات کی زبانی — ابوعبداللہ — ۲۵

حدیث و سنت

روایت حدیث میں امام صنعانی کا معتبر ہونا — حافظ زبیر علی زئی — ۴۰

تحقیق و تنقید

مذہبی پیشوائیت، مذہب پرویز کا کھوٹا سکہ — ڈاکٹر محمد دین قاسمی — ۵۳
پردہ اور جاوید غامدی کی مغالطہ انگیزیاں — محمد رفیق چودھری — ۷۰

یاد رفتگان

تذکرہ ابا جان؛ مولانا عبدالغفار حسنؒ — ڈاکٹر صہیب حسن — ۸۰
ہمارے اُستاذ مولانا عبدالغفار حسنؒ — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۹۳

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

'معروف ومنکر' اور جناب جاوید احمد غامدی

سطورِ ذیل میں ہم قارئین کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرعی تصورات اور بعض متجددین کی طرف سے پیش کیے گئے خانہ ساز نظریات کا قرآن وسنت اور ائمہ سلف کی آرا کی روشنی میں ایک علمی جائزہ پیش کررہے ہیں جو اسلام آباد کے معروف مدرسہ حفصہ اور لال مسجد کے حوالے سے اس وقت اخبارات کی شہ سرخیوں میں نمایاں ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس بالواسطہ تبصرہ سے مستفید ہوں گے۔ ان شاء اللہ

براہِ راست تبصرہ اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ اس واقعہ کی اندرونی کہانیوں کے بارے میں اہل علم ونظر مختلف الخیال ہیں۔ اسی بنا پر مذکورہ مسجد و مدرسہ کی کہانی اخبارات کی زبانی ایک مستقل آرٹیکل کی صورت اس شمارہ میں شاملِ اشاعت ہے۔ (مدیر اعلیٰ)

معروف ومنکر کا مفہوم اور اس کا تعین

اگر ہم آسان اور مختصر الفاظ میں قرآنی اصطلاح، معروف ومنکر کا مفہوم بیان کریں تو وہ یہ ہے کہ معروف سے مراد ہر وہ چیز ہے کہ جس کا اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے 'دین فطرت' ہونے کے ناطے فطرتِ سلیمہ اور عقل صحیح بھی اس کے کرنے کا مطالبہ کرے گی اور وہ مسلم معاشروں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور ہر وہ بات جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع کیا ہو، منکر ہے نیز فطرتِ سلیمہ اور عقل صحیح بھی اس کے کرنے کو ناپسند کرے گی اور مسلم معاشروں میں بھی اس کو ناپسند کیا جائے گا۔

گویا معروف ومنکر کا تعین اصلاً شریعت کرتی ہے۔ کیا چیز معروف ہے اور کیا منکر؟ اس کا علم ہمیں شریعت سے حاصل ہوگا نہ کہ عقل وفطرت سے۔ البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ جس چیز کو ہماری شریعت نے معروف کہا ہے، اس کو عقل صحیح اور فطرتِ سلیمہ کی بنیاد پر قائم ایک مسلم معاشرہ بھی پسند کرتا ہے اور جس چیز کو ہماری شریعت نے منکر کہا ہے، اس کو عقل صحیح اور فطرتِ سلیمہ کی بنیاد پر قائم ایک مسلم معاشرہ بھی اجنبی سمجھتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

◉ اسی بات کو امام ابن جریر طبریؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

أصل المعروف كل ما كان معروفا فعله جميلا مستحسنا غير مستقبح في أهل الايمان بالله وإنما سميت طاعة الله معروفا لأنه مما يعرفه أهل الايمان ولا يستنكرون فعله وأصل المنكر ما أنكره الله تعالى ورأوه قبيحا فعله و لذلك سميت معصية الله منكرًا لأن أهل الايمان بالله يستنكرون فعلها (جامع البیان فی تفسیر آیات القرآن؛ سورۃ آلِ عمران:۱۱۰)

''معروف کا اصل معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز کہ جس کا کرنا جانا پہچانا ہو اور وہ اہل ایمان کے نزدیک اچھا اور مستحسن ہو اور وہ اس کو قبیح نہ سمجھتے ہوں۔ اور اللہ کی اطاعت کو بھی معروف اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جنہیں اہل ایمان پہچانتے ہیں اور اس کے کرنے کو ناپسند خیال نہیں کرتے۔ اور منکر کی اصل یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند جانا ہو اور اہل ایمان بھی اس کے کرنے کو ناپسند خیال کرتے ہوں۔ اسی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کو منکر کہتے ہیں کیونکہ اہل ایمان اس کے کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔''

◉ اسی بات کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا:

ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوا سيئا فهو عند الله سيء (مسند احمد: جلد۴ ص۴۵۳)

''جس کو مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔''

مختصر بات یہی ہے کہ عقل عام یا فطرتِ انسانی معروف ومنکر کا علم حاصل کرنے کے لیے کوئی کسوٹی یا معیار نہیں ہیں بلکہ اصل معیار وحی ہے اور وحی نے معروف اور منکر کا تعین کر دیا ہے اور وحی کے متعین کردہ ان تمام معروفات ومنکرات کے معروف ومنکر ہونے کی گواہی عقل صحیح اور فطرتِ سلیمہ پر مشتمل انسانی معاشرے بھی دیتے ہیں۔

◉ اسی بات کو ایک اور انداز میں بیان کرتے ہوئے مشہور مفسر ابوحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں :

فسّر بعضهم المعروف بالتوحيد والمنكر بالكفر ولا شك أن التوحيد رأس المعروف والكفر رأس المنكر ولكن الظاهر العموم في كل معروف مأمور به في الشرع وفي كل منهي نُهي عنه في الشرع

www.KitaboSunnat.com

''بعض اہل علم نے معروف کی تفسیر توحید سے اور منکر کی تفسیر کفر سے کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ توحید معروف کی بنیاد ہے اور کفر منکر کی جڑ ہے۔ لیکن بظاہر الفاظ میں عموم ہے، لہٰذا معروف سے مراد ہر وہ شے ہے جس کا ہماری شریعت میں حکم دیا گیا ہے اور منکر سے مراد ہر وہشے ہے کہ جس سے ہماری شریعت میں منع کیا گیا ہے۔'' (البحر المحیط؛ آلِ عمران:۱۰۴)

◉ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

المعروف هو أمر الله... والمنكر هو ما نهى الله عنه

(احکام القرآن؛ سورۃ آلِ عمران، باب فرض الامر بالمعروف)

''معروف سے مراد اللہ کا حکم ہے ...جبکہ منکر سے مراد ہر وہ شے کہ جس اللہ نے منع کیا ہو۔''

◉ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

والمتبادر من المعروف الطاعات ومن المنكر المعاصي التي أنكرها الشرع (روح المعانی؛ سورۃ آل عمران:۱۱۰)

''بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ معروف میں تمام اطاعتیں شامل ہیں اور منکر سے مراد وہ تمام معاصی ہیں جن کو شریعت نے ناپسند سمجھا ہے۔''

◉ علامہ ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

المراد بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: الأمر بواجبات الشرع والنهي عن محرماته (الزواجر: جلد۳/ص۱۶۱)

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مراد ان چیزوں کا حکم کرنا ہے جن کو شریعت نے واجب قرار دیا ہے اور ان چیزوں سے منع کرنا ہے جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔''

◉ ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں:

يطلق اسم المعروف على ما عُرف بأدلة الشرع من أعمال البر سواء جرت به العادة أم لا (فتح الباری: کتاب الادب، باب کل معروف صدقۃ)

''معروف کے لفظ کا اطلاق ہر اس نیکی پر ہوتا ہے جس کا نیکی ہونا کسی شرعی دلیل سے معلوم ہو، چاہے رواج اس کے مطابق ہو یا نہ ہو۔''

◉ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں:

المنكر ما أنكره الشرع وكرهه ولم يرض به (المبین المعین لفهم

www.KitaboSunnat.com

الأربعین:ص۱۸۸بحوالہ'معروف منکر'از جلال الدین عمری:ص۷۹)

''منکر سے مراد جس کو شریعت نے ناپسند جانا ہو اور اس سے منع کیا ہو اور جس سے وہ راضی نہ ہو۔''

◉ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں:

«من رأى منكم منكرًا» شيئا قبَّحه الشرع فعلا أو قولا

(التيسير بشرح الجامع الصغير:جلد۲ص۴۱۸)

''من رأی منکم منکرا' سے مراد وہ چیز ہے جس کے کہنے یا کرنے کو شریعت نے ناپسند جانا ہو۔''

◉ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

يدخل في المعروف كل واجب وفي المنكر كل قبيح والقبائح هي السيئات وهي المحظورات كالشرك والكذب والظلم والفواحش

(العقيدة الأصفهانية:ص۱۲۱)

''معروف میں ہر واجب داخل ہے اور منکر میں ہر برائی داخل ہے یعنی وہ باتیں کہ جن سے شریعت نے منع کیا ہے جیسا کہ شرک، جھوٹ، ظلم اور بے حیائی کے کام ہیں۔''

◉ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

إنهم يأمرون بما هو معروف في هذه الشريعة وينهون عما هو منكر فالدليل على كون ذلك لشيء معروفا أو منكرا هو الكتاب و السنة

(إرشادالفحول:ص۷۴)

''وہ ہر اس چیز کا حکم دیتے ہیں جو اس شریعت میں معروف ہے اور اس سے منع کرتے ہیں جو منکر ہے پس اس چیز کے معروف یا منکر ہونے کی دلیل قرآن وسنت ہی ہیں۔''

◉ علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں:

المعروف اسم جامع لكل ما عرف من طاعة الله والتقرب إليه والإحسان إلى الناس وكل ما ندب إليه الشرع ... وكل ما قبحه الشرع وحرمه وكرهه فهو منكر (النهاية:جلد۳،ص۴۴۲)

''معروف ایک جامع لفظ ہے جس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو کہ اللہ کی اطاعت اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور لوگوں سے حسن سلوک کے حوالے سے معروف ہو اور ہر وہ چیز جس کو شریعت نے پسندیدہ قرار دیا ہو...اور ہر وہ چیز جس کو شریعت نے برا کہا ہو اور حرام

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا ہو اور اس کو ناپسند کیا ہو تو وہ منکر ہے۔''

◉ علامہ صاویؒ فرماتے ہیں:

المعروف المراد به ما طلبه الشارع ... المنكر ما نهى عنه الشارع

''معروف سے مراد ہر وہ چیز ہے کہ جس کا شریعت نے مطالبہ کیا ہو...اور منکر سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے شارع نے منع کیا ہو۔'' (حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین: جلد ۱ ص ۱۵۲)

◉ حدادیؒ فرماتے ہیں:

المعروف هو السنة والمنكر هو البدعة

(روح البیان: جلد ۱ ص ۹۵۹ بحوالہ معروف منکر: ص ۹۶)

''معروف سے مراد سنت ہے جبکہ منکر سے مراد بدعت ہے۔''

◉ امام راغب فرماتے ہیں:

المعروف اسم لكل فعل يعرف بالعقل أو الشرع حسنه والمنكر ما ينكر بهما (مفردات: ص ۳۳۱)

''معروف سے مراد ہر وہ فعل ہے جس کا اچھا ہونا عقل سے معلوم ہو یا شریعت اس کو اچھا کہے اور منکر وہ جسے عقل اور شریعت دونوں ناپسند کرتے ہوں۔''

ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس کو ہماری شریعت نے معروف کہا ہے، اس کو عقل صحیح اور فطرتِ سلیمہ پر مشتمل مسلم معاشرہ بھی معروف کہتا ہے اور جس کو ہماری شریعت نے منکر کہا ہے، اس کو عقل صحیح اور فطرتِ سلیمہ پر مشتمل مسلم معاشرہ بھی منکر کہتا ہے۔ اس لیے امام راغبؒ نے معروف ومنکر کی تعریف میں عقل صحیح کو بھی داخل کر دیا۔

غامدی صاحب کے نزدیک معروف ومنکر کا مفہوم اور اس کا تعین

اہل سنت کے ہاں معروف ومنکر کا یہی صحیح مفہوم ہے جس کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں جبکہ میڈیا کے معروف دانشور جناب جاوید احمد غامدی صاحب اہل سنت کے اس تصور کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک معروف ومنکر شریعت کا نہیں بلکہ فطرتِ انسانی کا موضوع ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بات کا تعین کہ یہ معروف ہے اور یہ منکر، اس کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی پر چھوڑ دیا یعنی وحی یا ہماری شریعت میں یہ رہنمائی موجود نہیں ہے کہ یہ معروفات اور یہ منکرات

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ جناب غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

① دین فطرت کے حقائق ② سنت ابراہیمی ③ نبیوں کے صحائف

پہلی چیز کو وہ اپنی اصطلاح میں معروف ومنکر سے تعبیر کرتا ہے۔یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جس سے فطرت ابا کرتی اور اُنہیں برا سمجھتی ہے۔ قرآن ان کی کوئی جامع مانع فہرست پیش نہیں کرتا بلکہ اس حقیقت کو مان کر کہ انسان ابتدا ہی سے معروف ومنکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہنچانتا ہے، اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائے اور منکر کو چھوڑ دے ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں، یہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ باہم دگر معروف کی نصیحت کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ اس معاملے میں اگر کسی جگہ اختلاف ہو تو زمانۂ رسالت کے اہل عرب کا رجحان فیصلہ کن ہوگا۔'' (میزان: ص ۴۸، ۴۹)

ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر معروف ومنکر شریعت کا موضوع نہیں ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه (صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب کون النہی عن المنکر من الایمان)

''جو بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے۔ اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے۔''

اللہ کے رسول ﷺ منکر کو ہاتھ سے روکنے کا حکم دے رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے منکرات کا تعین کر دیا ہے۔ اگر غامدی صاحب کا یہ نظریہ مان لیا جائے کہ معروف اور منکر کا تعین فطرتِ انسانی سے ہوگا تو شریعتِ اسلامیہ ایک کھیل تماشہ بن جائے گی۔ ایک شخص کے نزدیک ایک فعل معروف☆ ہوگا جبکہ دوسرے کے نزدیک وہی فعل منکر ہو گا۔مثلاً غامدی صاحب کے نزدیک رقص وسرود معروف کے تحت آئے گا۔اب غامدی صاحب کو قرآن کا یہ حکم ہے کہ وہ امر بالمعروف کا فریضہ سرانجام دیں یعنی لوگوں کو رقص وسرود انجام

www.KitaboSunnat.com

دینے کا حکم دیں جبکہ علماے دین رقص وسرود کو منکرات میں شامل کرتے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کو اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ وہ منکرات کو بزورِ بازو روکیں یعنی غامدی صاحب کو رقص وسرود کے جواز کا فتویٰ دینے سے ہر طرح روکیں۔

کیا بدعات 'منکرات' میں شامل ہیں؟

جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے جامعہ حفصہ کے حوالے سے اپنے ایک حالیہ ٹی وی پروگرام◉ میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ بدعات، منکر کی تعریف میں داخل نہیں ہیں۔ ہم موصوف کی توجہ ایک صحیح حدیث کی طرف دلانا چاہیں گے جس میں ایک صحابی رسول ﷺ نے ایک بدعت کے لیے منکر کا لفظ استعمال کیا۔ حضرت طارق بن شہابؒ سے روایت ہے:

أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان فقام إليه رجل فقال الصلاة قبل الخطبة فقال قد ترك ما هنالك فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه. سمعت رسول الله يقول من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان

(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی لغت میں منکر کے لفظ میں بدعات بھی شامل تھیں جبکہ جناب جاوید غامدی صاحب کی عربی معلّٰی اس بات کی جازت نہیں دیتی کہ بدعات کو منکرات میں شامل کیا جائے..... یا للعجب!

دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرق

دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جب اکٹھے استعمال ہوں تو ان میں ایک گونہ فرق

☆ 'اشراق' کے نائب مدیر سید منظور الحسن اپنے مضمون 'اسلام اور موسیقی' جو [جاوید غامدی کے افادات] پر مبنی ہے میں لکھتے ہیں: ''موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے، اس لئے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔'' ..... ''ماہر فن مغنیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا گانا سنانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے سیدہ عائشہؓ کو اس کا گانا سنوایا، سیدہ عائشہ حضورؐ کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔''

(اشراق بابت مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۸ و ۱۹)

◉ 'جیو' کا پروگرام 'غامدی' بعنوان 'معروف ومنکر' مؤرخہ ۲۰ر اپریل ۲۰۰۷ء، ۸ بجے رات

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے یعنی دعوت کا مقصد پیغام رسانی اور ترغیب وترہیب ہوتا ہے جبکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مقصد بھلائی کا فروغ اور برائی کو مٹانا ہے۔ علاوہ ازیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں نفاذِ شریعت کی مساعی بھی شامل ہیں، اس لیے ہر دو اصطلاحات میں اس اعتبار سے فرق ہے جبکہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنے ایک غلط فلسفے کو سیدھا کرنے کے لیے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کرتے ہوئے دعوت (جسے وہ تواصی بالحق بھی کہتے ہیں) اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کو بالکل ایک ہی بنا دیا۔ جناب غامدی لکھتے ہیں:

''ایک دوسرے کو حق اور حق پر ثابت قدمی کی یہی نصیحت ہے جسے قرآن مجید نے بعض دوسرے مقامات پر 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن منکر' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی عقل وفطرت کی رو سے جو باتیں اچھی ہیں، ان کی تلقین کی جائے اور جو بری ہیں، ان سے لوگوں کو روکا جائے۔ یہ درحقیقت منفی ومثبت، دونوں پہلوؤں سے 'تواصی بالحق' ہی کا بیان ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ''

غامدی صاحب نے اس آیت کی من مانی تاویل کرتے ہوئے اس آیت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مراد 'تواصی بالحق' لیا ہے جس کی کوئی دلیل سلف صالحین تو کجا کسی عربی لغت یا غامدی صاحب کی عربی معلّٰی میں بھی نہیں ملتی۔ غامدی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ اس آیت کے ظاہری الفاظ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے 'تواصی بالحق' مراد لینے کے لیے اپنی عربی معلّٰی سے کوئی عربی شعر ہی بطورِ استشہاد پیش کر دیتے تاکہ ہم غامدی صاحب کی اس تاویل کو کم از کم 'من مانی تاویل' تو نہ کہہ سکتے۔

'تواصی بالحق' درحقیقت حق بات کی زور دار وعظ ونصیحت کو کہتے ہیں جبکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حق بات کی وعظ ونصیحت سے بڑھ کر اس کے لئے کچھ اقدامات کرنے کی بحث ہے۔ خود امر اور نہی کے الفاظ میں یہ بات بیان ہوئی ہے۔ ان اصطلاحات میں نفاذ کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس لئے تغییر (منکر کو معروف سے بدلنا) چاہے باللسان ہو یا بالید، یہ نہی عن المنکر کا موضوع تو ہوسکتا ہے لیکن تواصی بالحق کا موضوع ہرگز نہیں ہے۔

www.KitaboSunnat.com

یہاں ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگ منکر اور معصیت کو ایک ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ منکر کا لفظ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ منکر میں معصیت کی نسبت کسی مسلم معاشرے کا ایک فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کا مفہوم بھی اضافی طور پر پایا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس فرق کو کئی مثالوں کے ذریعے واضح کیا ہے مثلاً ایک بچہ پیشاب پی رہا ہو تو ہم اس کے اس فعل کو معصیت تو نہیں کہیں گے کیونکہ وہ بلوغت سے پہلے شرعی احکام کا مکلّف نہیں ہے لیکن اس کا یہ فعل منکر ضرور ہے، اس لیے اسے اس فعل سے روکا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی پاگل زنا کر رہا ہو تو وہ بھی مکلّف نہ ہونے کی وجہ سے معصیت کا مرتکب نہیں ہے لیکن اس کا یہ فعل منکر ہے لہٰذا اسے اس فعل سے روکا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم یا منکر خدا عمل قومِ لوط میں مبتلا ہو تو اگرچہ وہ شرعی احکام کا مکلّف نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس کو اس فعل سے روکنا نہی عن المنکر کے تحت آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے فعل بد کے لیے ﴿وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ﴾ کے الفاظ استعمال کیے۔

معلوم یہ ہوا ہے کہ منکر میں ہر معصیت شامل ہے لیکن ہر معصیت، منکر نہیں ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ بچے یا پاگل یا غیر مسلم کے اس فعل کا منکر ہونا ہمیں شریعت ہی سے معلوم ہوا ہے لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وحی نے کوئی ایسی چیز باقی نہیں چھوڑی کہ جس کے معروف ومنکر ہونے کے بارے میں عقل وفطرت کو حَکَم بنانے کی ضرورت محسوس ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب واہمیت

امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجباتِ شرعیہ میں سے ایک اہم ترین واجب ہے کہ جس کے وجوب پر قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت شاہد ہیں۔ قرآنِ مجید میں کئی جگہ اُمتِ مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ آلِ عمران:۱۰۴)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے۔ اُنہیں معروف کا

www.KitaboSunnat.com

حکم دے اور منکر سے منع کرے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

امام قرطبیؒ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و'مِنْ' في قوله تعالى:'منكم' للتبعيض۔ ومعناه يجب أن يكونوا علماء وليس كل الناس علماء. وقيل لبيان الجنس والمعنى لتكونوا كلكم كذلك (الجامع لاحکام القرآن:سورۃ آلِ عمران:۱۰۴)

اور مِنْ اللہ تعالیٰ کے قول منکم میں تبعیض کے لیے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے علما ہوں جبکہ تمام لوگ علما نہیں ہوتے اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ مِن بیانِ جنس کیلئے ہے یعنی تم سب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو۔''

▣ اس مفہوم میں قرآن کریم کی ایک اور آیت اس سے بھی زیادہ واضح ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

''تم لوگوں کے لئے نکالی گئی بہترین اُمت ہو۔تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔''

▣ اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی گئی ہے مثلاً آپ ﷺ کا فرمان اوپر بیان ہو چکا ہے:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الايمان (صحیح مسلم:کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان)

''جو بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے۔ اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنے دل سے۔''

▣ اسی طرح علما کا اجماع بھی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

أكد الله تعالى فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر في مواضع من كتابه وبينه رسول الله ﷺ في أخبار متواترة عنه فيه وأجمع السلف وفقهاء الأمصار على وجوبه (احکام القرآن:سورۃ المائدۃ،باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)

''اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت کو اپنی کتاب میں کئی جگہ تاکیداً بیان کیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی فرضیت کو ان احادیث میں بیان کیا ہے جو کہ آپ سے متواتر

www.KitaboSunnat.com

مروی ہیں اور علما سلف اور تمام بلادِ اسلامیہ کے فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ فرض ہے۔''

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب والسنة وإجماع الأمة... ووجوبه بالشرع لا بالعقل خلافا للمعتزلة

(شرح النووی مع صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان)

''امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض ہونے پر کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت سبھی شاہد ہیں...اور اس کا فرض ہونا شرعاً ہے نہ کہ عقلاً جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔''

امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرضِ عین یا فرضِ کفایہ

علما کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟ جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ یہ فرضِ کفایہ ہے جبکہ بعض علما کا کہنا یہ ہے کہ یہ فرضِ عین ہے۔ علما کے ان اقوال میں تطبیق پیدا کرنے کے لیے امام شاطبیؒ نے بڑی عمدہ بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

قد يصح أن يقال أنه واجب على الجميع على وجه من التجوز لأن القيام بذلك الفرض قيام بمصلحة عامة فهم مطلوبون بسدها على الجملة فبعضهم هو قادر عليها مباشرة وذلك من كان أهلا لها والباقون وإن لم يقدروا عليها قادرون على إقامة القادرين فمن كان قادرا على الولاية فهو مطلوب بإقامتها ومن لا يقدر عليها مطلوب بأمر آخر وهو إقامة ذلك القادر وإجباره على القيام بها (الموافقات: جلد ا رص ۱۷۸ تا ۱۷۹)

''یہ کہنا مجازاً صحیح ہوگا کہ وہ (فرضِ کفایہ) سب پر ہی فرض ہے کیونکہ اس فرض کو قائم کرنا درحقیقت دین کی ایک عمومی مصلحت کو پورا کرنا ہے اور اس عمومی مصلحت کے پورا کرنے کا مطالبہ سب مسلمانوں سے ہے۔ پس بعض تو اس فرضِ کفایہ کو خود انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن میں اس فرض کی ادائیگی کی اہلیت ہو جبکہ باقی افراد اگرچہ اس فرض کی ادائیگی پر تو قادر نہیں ہیں لیکن وہ اس فرض کی قدرت رکھنے والوں کو اس فرض کی ادائیگی کے لیے کھڑا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں پس جو شخص اس فرض کی ادئیگی پر قادر ہو تو

www.KitaboSunnat.com

اس سے اس فرض کی اقامت مطلوب ہے اور جو اس فرض کی اقامت پر قادر نہ ہو تو اس سے ایک اور چیز مطلوب ہے اور وہ یہ کہ وہ اس فرض کی ادائیگی کی قدرت رکھنے والے کو اس فرض کی اقامت کے لیے کھڑا کرے اور اسے اس فرض کے قائم کرنے پر مجبور کرے۔''

پس یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی استطاعت اور قدرت رکھتے ہیں تو ان پر اس فریضے کی ادائیگی فرضِ عین ہے جبکہ باقی افراد کا فرض یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی استطاعت وقوت رکھنے والوں کو اس فرض کی ادائیگی پر مجبور کریں۔اس اعتبار سے امام شاطبیؒ کے نزدیک اس فریضے کے اقامت میں تمام لوگ شامل ہوجائیں گے۔

یہ واضح رہے کہ جو صاحبِ استطاعت ہے، اس کے حق میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہوجاتا ہے۔اس بارے میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وهو فرض على الكفاية ويصير فرض عين على القادر الذي لم يقم به غيره (الحسبة في الإسلام:ص٣٧)

''یہ فرضِ کفایہ ہے لیکن اس شخص پر یہ فرضِ عین ہوجاتا ہے جو کہ اس پر قادر ہو جبکہ اس کے علاوہ اس فرض کو کوئی اور انجام بھی نہ دے رہا ہو۔''

اس اعتبار سے حدود وتعزیرات کا نفاذ اصحابِ اقتدار اور اُمرا پر فرضِ عین ہے کیونکہ اس فریضہ کی ادائیگی پر صرف یہی لوگ قادر ہیں۔اسی طرح اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ کوئی بھی انجام نہ دے رہا ہو تو یہ بھی اصحابِ اقتدار پر فرضِ عین ہوگا۔

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی تقسیم میں ہمارے ہاں بڑے مغالطے پائے جاتے ہیں۔ہم ان غلط فہمیوں کو دور کرنے اور فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کے باہمی ربط وتعلق کو واضح کرنے کے لیے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کو فروغ دینے اور برائی کے خاتمے کے لئے جو احکامات دیے ہیں، ان میں مخاطبین کی دو حیثیتیں ہیں:

① اگر اللہ کی طرف سے دیے گئے احکامات میں براہِ راست فرد مخاطب ہو تو معاشرے سے خطاب بالواسطہ ہوگا، اسے فرضِ عین کہتے ہیں۔

② اگر ان احکامات میں اصل مخاطب معاشرہ یا جماعت ہو اور جبکہ اشخاص، معاشرہ یا جماعت

www.KitaboSunnat.com

کے توسط سے میں شامل ہوں گے تو یہ فرضِ کفایہ ہوگا۔

گویا دونوں صورتوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر فرد و معاشرہ فرض کی ادائیگی کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ فرضِ عین میں براہِ راست خطاب فرد سے ہوتا ہے جبکہ فرضِ کفایہ میں اصل مخاطب معاشرہ یا جماعت ہوتی ہے۔ اس کی سادہ سی مثال رفاہِ عامہ کے کام اور معاشرے کی اصلاح ہے جو بلاشبہ حکومت کا فرض تو ہے ہی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے افراد یا این جی اوز (NGOs) بھی نہ صرف رفاہی اُمور انجام دیتے ہیں بلکہ حکومتوں سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔ یہ این جی اوز جس طرح رفاہی امور انجام دیتی ہیں اسی طرح اُنہیں معاشرے میں موجود سماجی خرابیوں کا بھی علاج کرنا چاہئے۔

معاشرتی اصلاح و بہبود کے اس عمل کی مثبت اور منفی دونوں جہتوں کا کوئی صاحبِ عقل انکار نہیں کرسکتا۔ لہٰذا بلاشبہ معاشرے کی اصلاح و بہبود کے کام حکومت کے علاوہ عوام الناس یا کوئی سرکاری یا غیر سرکاری جماعت بھی انجام دے سکتی ہے لیکن فرد کے بجائے جب معاشرتی سطح پر کام کیا جائے تو یہ فرق ہوتا ہے کہ اگرچہ کام تو افراد ہی کرتے ہیں لیکن سماجی انجمنوں کے کام انجام دینے کے بعد عام افراد سے یہ بوجھ اُتر جاتا ہے اسی لئے اسے فرضِ کفایہ (کچھ افراد کے کام نے سب کو کفایت کردیا) کہتے ہیں جبکہ فرضِ عین بعینہٖ (ہر فرد عین پر) لازم ہوتا ہے مثلاً بعض افراد کے پانچ نمازیں پڑھنے سے تمام معاشرے سے نماز کی ادائیگی کی ذمہ داری ساقط نہ ہوگی جبکہ نمازِ جنازہ اگر متعلقین ادا کرلیں تو تمام معاشرے کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے اسی لیے نمازِ جنازہ کو فرضِ کفایہ کہتے ہیں۔

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی تقسیم ایک اور اعتبار سے بھی کی جاسکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ شرع کا اصل مقصد یا تو بھلائی کو صرف وجود میں لانا اور برائی کا خاتمہ ہوتا ہے یا ہر فرد و بشر کو اس کام کا مکلّف بنانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اگر کام کے ساتھ فرد کی ذاتی ذمہ داری بھی مطلوب ہو تو وہ فرضِ عین ہوگا اور اگر صرف کارِ خیر کا وجود مقصود ہو تو وہ فرضِ کفایہ ہوگا چنانچہ جب کام ہی مطلوب تھا اور وہ تکمیل پذیر ہوگیا تو مقصود حاصل ہوا، اس لیے باقی افراد سے اس فریضے کی ادائیگی کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی جیسا کہ جہاد و قتال کا فریضہ ہے۔ اور اگر فرد کی ذاتی

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری بھی مطلوب ہے تو پھر اس کا ذاتی طور پر بھی اس عمل کو کرنا لازم ہوگا جیسے اسلام کے ارکانِ خمسہ نماز، روزہ وغیرہ چنانچہ صرف ریاست کے اسلامی کلمہ (طیبہ) کے حامل ہونے کی بنا پر تمام شہری مسلمان نہ ہوں گے بلکہ اقلیتوں کے وجود کی بھی گنجائش ہوگی۔

جناب غامدی صاحب کو یہ غلطی لگی ہے کہ وہ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو صرف افراد کی حیثیت سے یا حکمران کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں جبکہ سماج و معاشرہ کی اہمیت کو وہ نظر انداز کر رہے ہیں حالانکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی کے لیے سماج ومعاشرہ بھی (غیر سیاسی حیثیت سے) بہت اہم ذمہ داریوں کا حامل ہے۔لہٰذا وہ جس طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کو ریاست کی انتظامیہ کے ساتھ خاص کر کے اصحابِ اقتدار کے اختیارات کے گن تو گا رہے ہیں لیکن اُنہوں نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ ان کی نام نہاد جمہوریت میں حکومت کی ذمہ داری تو عارضی ہوتی ہے جبکہ عوام کی سیاسی حاکمیت ہمیشہ بحال رہتی ہے اور یہ علم سیاسیات کی ایک اُصولی بات ہے کہ حکومتیں عوامی دباؤ سے بھی بہت سے کام کرتی ہیں چنانچہ چیک اینڈ بیلنس کا نظام بھی ریاست کے نظم ونسق کے لیے اشد ضروری ہے اور اربابِ اقتدار کو سیدھا رکھنے کا یہ کام سیاسی مقتدرِ اعلیٰ (سیاسی جماعتیں اور عوام) ہی انجام دیتے ہیں،اس لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر یقیناً عوام الناس کا بھی فریضہ ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شرطِ عدالت

بعض علما نے کہا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے عدالت شرط ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی معروف پر عمل پیرا ہو اور منکر سے روکنے والا ہو۔کسی حد تک یہ شرط لگانا صحیح ہے کیونکہ قرآن نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو کسی دوسروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن خود نیکی نہیں کرتے۔جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ:۴۴)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو۔''

لیکن یہ کہنا کہ جو شخص کسی معروف کا تارک ہو یا کسی منکر کا مرتکب ہو تو اس پر سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، پوری طرح صحیح نہیں ہے۔

www.KitaboSunnat.com

◉ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

من لم يفعل سائر المعروف ولم ينته سائر المناكير فإن فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر غير ساقط عنه

(احکام القرآن: سورۃ آلِ عمران، باب فرض الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)

''جو تمام معروفات پر عمل پیرا نہ ہو اور نہ ہی تمام منکرات سے بچا ہوا تو اس سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔''

◉ سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں:

لو كان المرء لا يأمر بالمعروف ولا ينهى عن المنكر حتى لا يكون فيه شيء ما أمر أحد بمعروف ولا نهى عن منكر (تفسیر ابن کثیر؛ البقرۃ:۴۴)

''اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ اس وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرے گا جب تک کہ اس میں کوئی منکر ہو تو اس طرح کوئی بھی کسی معروف کا نہ تو حکم دے سکتا ہے اور نہ ہی منکر سے منع کر سکتا ہے۔''

◉ امام مالکؒ سعید بن جبیرؒ کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں:

صدق من ذا الذي ليس فيه شيء (ایضاً)

''سعید بن جبیرؒ نے سچ کہا ہے کیونکہ کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس میں کوئی نہ کوئی منکر نہ پایا جاتا ہو۔''

◉ حافظ ابن کثیرؒ اس مسئلے میں فرماتے ہیں:

والصحيح أن العالم يأمر بالمعروف وإن لم يفعله وينهى عن المنكر وان ارتكبه (ایضاً)

''صحیح بات یہ ہے کہ عالم معروف کا حکم دے گا، اگرچہ وہ خود اس کو نہ کرے اور منکر سے منع کرے گا، اگرچہ وہ خود اس کا مرتکب ہو۔''

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا دائرۂ کار

امر بالمعروف ونہی عن المنکر حوالے سے ایک چیز جو بہت ہی اہم ہے وہ یہ کہ اس کا دائرۂ کار کیا ہے۔ کیا یہ صرف ریاست کی ذمہ داری ہے یا افراد کا ذاتی سطح پر اور معاشرے کا بھی اس

www.KitaboSunnat.com

فریضے کی ادائیگی میں کوئی کردار ہے؟

جمہور علما کے نزدیک یہ فریضہ' ریاست' کے ساتھ ساتھ فرد اور عام معاشرے پر بھی عائد ہوتا ہے۔جبکہ ہمارے ہاں بعض متجددین نے اس کے لیے ریاست یا اس کی اجازت کو بطورِ شرط بیان کیا ہے۔جناب علامہ جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ حکم (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) اربابِ اقتدار سے متعلق ہے...دوسرے لفظوں میں گویا قرآن کا منشا یہ ہے کہ فوج اور پولیس کی طرح اسلامی ریاست کے نظام میں ایک محکمہ قانونی اختیارات کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قائم ہونا چاہیے...قرآن مجید کی رو سے اُمت میں قیامِ حکومت کے بعد یہ فرض اس کے اربابِ حل وعقد پر عائد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے،منکر سے روکتے اور معروف کی تلقین کرتے رہیں۔ان پر لازم ہے کہ نظم ریاست سے متعلق دوسری تمام فطری ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ اپنی یہ ذمہ داری بھی لازماً پوری کریں۔'' (میزان:ص۲۱۲)

غامدی صاحب کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت یا صرف اس کی طرف سے متعین کردہ نمائندوں کا فریضہ ہے۔ان کے نزدیک علما یا عوام الناس پر یہ فرض نہیں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔غامدی صاحب کا یہ موقف قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبۃ:۷۱)

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں۔''

قرآن کی اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فریضہ عام ہے۔اسی طرح قرآنِ کریم کی اور بھی بہت سی آیات اس بات شاہد ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک عام فریضہ ہے کہ جس میں حکومت و ریاست اور عوام وعلما برابر کے شریک ہیں۔ان آیات کو امام غزالیؒ نے اپنی کتاب إحیاء العلوم میں جمع کر دیا ہے ان میں ایک اور آیت ہم پیش کیے دیتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

www.KitaboSunnat.com

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ (النساء:۱۱۴)

''ان کی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے سوائے اس کے جس نے صدقہ کرنے کا حکم دیا یا کسی معروف کا حکم دیا یا لوگوں میں اصلاح کا حکم دیا۔''

انہی ارشاداتِ قرآنی وغیرہ کی رو سے علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف اصحابِ اقتدار کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ عام مسلمانوں کے لیے بھی ثابت ہے۔امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قال العلماء: ولا يختص الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر بأصحاب الولايات بل ذلك ثابت لاحاد المسلمين . قال إمام الحرمين: والدليل عليه إجماع المسلمين فإن غير الولاة في الصدر الأول والعصر الذي يليه كانوا يأمرون الولاة بالمعروف وينهوهم عن المنكر مع تقرير المسلمين إياهم وترك توبيخهم على التشاغل بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من غير ولاة

(شرح النووی مع صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان)

''علما نے کہا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اصحابِ اقتدار کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ عام مسلمانوں کے لیے بھی ثابت ہے۔امام الحرمینؒ نے کہا ہے کہ اس بات کی دلیل مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ صدرِاوّل اور اس سے ملحق زمانوں میں عوام الناس،حکمرانوں کو معروف کا حکم دیتے تھے اور منکر سے منع کرتے تھے اور اس پر تمام مسلمانوں کی تقریر شاہد ہے۔ علاوہ ازیں تمام مسلمانوں کا حکمرانوں کے علاوہ افرادِ امت کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول ہو جانے پر کوئی انکار نہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ غیر حکمران کے لیے بھی روا ہے۔''

غامدی صاحب نے اپنے اس موقف کے اثبات کے لیے جو دلیل دی ہے، وہ قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

''اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ اور یہ (اہل ایمان) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو سرزمین

www.KitaboSunnat.com

میں اقتدار بخشیں تو نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بھلائی کی تلقین کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔'' (میزان: ص۲۱۲)

ہم نے اس آیت کا ترجمہ وہی بیان ہے جو کہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب 'میزان' میں لکھا ہے۔ غامدی صاحب نے اپنے اس ترجمے میں اس آیت کو اصحاب اقتدار کے ساتھ خاص کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ قرآن کی اسی آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ألا إنها ليست على الوالي وحده ولكنها على الوالي والمولي عليه

(تفسیر ابن کثیر: سورۃ الحج:۴۱)

''خبردار یہ صرف حکمران کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ حکمران اور عوام الناس دونوں پر فرض ہے۔''

کیونکہ 'تمکین فی الارض' صرف حکمران کو حاصل نہیں ہے بلکہ قرآن کی رُو سے ہر انسان کو کسی نہ کسی نوع کا تمکن اس زمین میں حاصل ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ (الاعراف:۱۰)

''(اے انسانو!) ہم نے تم سب کو زمین میں جگہ دی ہے اور اسی میں تمہارے وسائل رزق رکھے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ تمام انسان زمین میں خلیفہ ہیں اور ہر انسان کوئی نہ کوئی اختیار رکھتا ہے لہٰذا جزوی اقتدار بھی ہر شخص کو حاصل ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اصحابِ اقتدار کے ساتھ خاص کرنا ایک ایسی غیر منطقی اور خلافِ عقل بات ہے جس کا ردّ قرآن وسنت کی واضح وصریح نصوص کے علاوہ اجماعِ اُمت اور عقل عام سے بھی ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ، غامدی صاحب جیسا موقف رکھنے والے افراد کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الاشتراط فاسد فإن الآيات والأخبار التي أوردناها تدل على أن كل من رأى منكرا فسكت عليه عصى إذ يجب نهيه أينما رأه وكيفما رأه على العموم فالتخصيص بشرط التفويض من الإمام تحكم لا أصل له.....استمرار عادات السلف على الحسبة على الولاة قاطع بإجماعهم على الاستغناء عن التفويض بل كل من أمر بمعروف فإن كان الوالي

www.KitaboSunnat.com

راضيا به فذاك وإن كان ساخطا له فسخطه له منكر يجب الإنكار عليه فكيف يحتاج إلى أذنه في الإنكار عليه (احیاء العلوم: جلد۲ص۱۵۱،۱۵۲)

''یہ شرط لگانا (کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے حکومت کی اجازت ضروری ہے) ہی فاسد ہے کیونکہ آیات اور احادیث جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے بھی کسی منکر کو دیکھا اور اور اس پر سکوت اختیار کیا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی کیونکہ اس پر اس منکر سے روکنا واجب تھا۔ چاہے، جہاں بھی اس نے اس منکر کو دیکھا ہو اور جس حالت میں بھی دیکھا ہو۔ پس اس عام حکم میں اس شرط کے ساتھ تخصیص پیدا کرنا کہ نہی عن المنکر اس وقت فرض ہوگا جبکہ امام کی اجازت ہو، بلا دلیل ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے... سلف صالحین کا یہ مسلسل طرزِ عمل کہ وہ حکمرانوں کا احتساب کرتے رہے، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے حکمرانوں کی طرف سے مامور ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ پس جس نے بھی معروف کا حکم دیا اور حکمران نے اس کو پسند کیا تو یہی چیز مطلوب ہے اور اگر حکمران اس معروف کے حکم کرنے سے ناراض ہوا تو حکمران کی یہ ناراضگی خود ایسا منکر ہے کہ جس کا انکار واجب ہے۔ اس صورت میں یہ شخص حکمران سے صادر ہونے والے اس منکر کے انکار کے لیے کیسے اس کی اجازت کا محتاج ہوگا؟

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا میدانِ عمل

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ریاست اور اس کے افراد دونوں کی ذمہ داری ہے اور یہی موقف قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ فریضہ ادا کرتے وقت ایک ریاست اور عام شہری یا مسلمانوں کی تنظیم کے دائرۂ عمل میں کچھ فرق ضرور ہوگا۔ لیکن اس فرق کے باوجود فرد اور ریاست دونوں کے لیے یہ دائرۂ عمل بہت وسیع ہے۔ جناب جاوید احمد غامدی کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ وہ ایک فرد کے دائرۂ عمل کو اپنے گھر، اعزہ واقارب اور احباب تک محدود کر دیتے ہیں۔ جناب غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اس دعوت کا اصل دائرۂ عمل، جس طرح کہ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کے الفاظ سے واضح ہے، ہر شخص کا اپنا ماحول ہے۔ اس کو یہ کام اپنے گھر، اپنے اعزہ واقارب اور اپنے

www.KitaboSunnat.com

احباب ہی میں کرنا چاہیے... اسی 'تواصو بالحق' کے تحت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اگر کوئی منکر دیکھیں تو اپنے دائرۂ اختیار میں اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں... شوہر، باپ، حکمران سب اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں لاریب اسی کے مکلّف ہیں کہ منکر کو قوت سے مٹا دیں۔'' (میزان: ص۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶)

غامدی صاحب نے تغییر المنکر کے لیے دائرۂ اختیار کی جو شرط لگائی ہے، وہ امام نوویؒ کے بقول اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کیونکہ بھلائی کے پہلے قرونِ ثلاثہ میں عوام الناس اور علما' اپنے حکمرانوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہے اور حکمران تو عوام الناس اور علما کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله ﷺ قال ما من نبي بعثه الله تعالى في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهده بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل (صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مجھ سے پہلی اُمتوں میں کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اُمت میں سے کچھ اصحاب اور حواری نہ بنائے ہوں جو کہ اس نبی کی سنت کو پکڑتے اور اس کی اقتدا کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد کچھ ناخلف قسم کے لوگ جانشین بنتے جو ایسی باتیں کرتے تھے جو کہ وہ نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا جاتا پس جو ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے تو وہ مؤمن ہے اور جو کوئی ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے تو وہ بھی مؤمن ہے اور جو کوئی ان سے اپنے دل سے جہاد کرے تو وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد تو رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔''

اس حدیث میں ناخلف اور نااہل حکمرانوں کے خلاف ہاتھ سے جہاد کو ایمان قرار دیا گیا

www.KitaboSunnat.com

ہے، حالانکہ حکمران ایک عام انسان کے دائرۂ اختیار میں داخل نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک حسن حدیث میں جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے☆ اور یہ بھی زبان کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی ہے۔

اگر تو کوئی شخص کسی منکر کا ارتکاب کر چکا ہو تو اس پر حد یا تعزیر جاری کرنے کا معاملہ تو بلاشبہ حکومت یا امام کی ذمہ داری ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی معصیت یا منکر کو دیکھ رہا ہو تو اس دیکھنے والے کے لیے بھی اس معصیت یا منکر کا اِزالہ واجب ہوگا، اگر وہ اس کے ازالے کی قدرت رکھتا ہو۔ امام ابوبکر جصاصؒ نے اس مسئلے پر بڑی ہی مدلل گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

وفي هذه الأخبار دلالة على أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لهما حالان: حال يمكن فيها تغيير المنكر وإزالته، ففرض على من أمكنه إزالة ذلك بيده أن يزيله، وإزالته باليد تكون على وجوه: منها أن لا يمكنه إزالته إلا بالسيف وأن يأتي على نفس فاعل المنكر فعليه أن يفعل ذلك كمن رأى رجلا قصده أو قصد غيره بقتله أو يأخذ ماله أو قصد الزنا بامرأة أو نحو ذلك وعلم أنه لا ينتهي إن أنكره بالقول أو قاتله بما دون السلاح فعليه أن يقتله لقوله ﷺ «من رأى منكم منكرا فليغيره بيده» فإذا لم يمكنه تغييره بيده إلا بقتل المقيم على هذا المنكر فعليه أن يقتله فرضا عليه وإن غلب في ظنه أنه ان أنكره بيده ودفعه عنه بغير سلاح انتهى عنه لم يجز له الإقدام على قتله... وكذلك قال أبو حنيفة في السارق إذا أخذ المتاع ووسعك أن تتبعه حتى تقتله إن لم يرد المتاع قال محمد: قال أبو حنيفة في اللص الذي ينقب البيوت: يسعك قتله (احکام القرآن: سورۃ آل عمران، باب فرض الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

''ان احادیثِ مبارکہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ جس میں منکر کی تغییر اور اس کا اِزالہ ممکن ہو پس جو شخص اس منکر کو ہاتھ سے ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس پر ہاتھ سے اس منکر کو ختم کرنا فرض ہے اور کسی منکر کو ہاتھ سے ختم کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس منکر کا خاتمہ

☆ «أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر» (سنن ابوداود: ۴۳۴۴)

www.KitaboSunnat.com

تلوار کے بغیر اور اس منکر کے فاعل کی جان لیے بغیر ممکن نہ ہو تو اس پر ضروری ہے کہ وہ ایسا کر گزرے۔ مثلاً ایک شخص اس کے یا کسی دوسرے شخص کے قتل کا ارادہ کر رہا ہے یا وہ اس کا مال چھیننا چاہتا ہے یا وہ کسی عورت سے زنا کرنا چاہتا ہے یا اس قسم کا کوئی اور کام کرنا چاہتا ہے تو یہ بات بھی معلوم ہو کہ اگر وہ اس شخص کو صرف زبان سے منع کرے گا یا بغیر کسی ہتھیار کے اس سے لڑائی کرے گا تو باز نہیں آئے گا، ایسی صورت میں اس شخص کے لیے اس منکر کے ارتکاب کرنے والے کو قتل کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ جو بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے تو وہ اس کو ختم کر دے پس جب اس منکر کی ہاتھ کے ساتھ تغییر اس منکر کے مرتکب کے قتل کیے بغیر ممکن نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ اس منکر کے مرتکب کو قتل کر دے اور اگر اس شخص کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر وہ منکر کے مرتکب کو بغیر کسی ہتھیار کے استعمال کے صرف ہاتھ سے روک دے تو وہ اس سے رک جائے گا تو اس کے لیے منکر کے مرتکب کو قتل کرنا جائز نہیں ہے... اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے اس چور کے بارے میں جو تمہارا مال لے جائے، کہا ہے کہ تیرے لیے گنجائش ہے کہ تو اس کا پیچھا کر اور اگر وہ تیرا مال نہ واپس کرے تو تو اس کو قتل کر دے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس چور کے بارے میں جو گھروں میں نقب لگاتا ہے، کہا ہے: تیرے لیے اس کو قتل کرنے کی گنجائش ہے۔''

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

أجمع المسلمون في ما ذكر ابن عبد البر أن المنكر واجب تغييره على كل من قدر عليه (تفسیر القرطبی: جلد۴ ص۴۹)

''ابن عبد البرؒ نے اس بات پر علما کا اجماع نقل کیا ہے کہ ہر اس شخص پر منکر کی تغییر واجب ہے جو کہ اس کی تغییر کی قدرت رکھتا ہو۔''

لیکن قدرت کے باوجود اگر نہی عن المنکر سے کسی بڑے منکر یا بعض دوسرے مفاسد کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو علما اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اس مسئلے پر امام ابن قیمؒ کی تحریر بڑی ہی مؤثر ہے۔ فرماتے ہیں:

إنكار المنكر أربع درجات: الأولى أن يزول ويخلفه ضده. الثانية أن يقل وإن لم يزل بجملته. الثالثة أن يخلفه ما هو مثله. الرابعة أن يخلفه ما هو شر منه. فالدرجتان الأولتان مشروعتان والثالثة موضع اجتهاد

www.KitaboSunnat.com

والرابعة محرمة (اعلام الموقعین: جلد۳ص۱۵۱)

''انکارِ منکر کے چار درجات ہیں: پہلا درجہ وہ ہے کہ جس سے منکر ختم ہو جائے اور اس کی جگہ معروف قائم ہو جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر کم ہو جائے، اگرچہ مکمل ختم نہ ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ منکر تو ختم ہو جائے لیکن اس کی جگہ ایک ویسا ہی منکر اور آ جائے اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس منکر کے خاتمے کے بعد اس سے بھی بڑا اور بدترین منکر آ جائے۔ پس پہلے دو درجے مشروع ہیں جبکہ تیسرا درجہ اجتہاد کا میدان ہے اور چوتھا درجہ حرام ہے۔''

شاید یہی آخری درجہ ہے جس کے حوالے سے علما کی ایک کثیر تعداد جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی انتظامیہ کے موقف کو تو درست لیکن طریق کار کو غلط قرار دیتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس طریق کار سے ایک بڑے شر کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لیکن ہم اس پر اتنا کہہ کر اپنی اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا کہ اس منکر کے اس طرح خاتمے کے لیے جدوجہد کرنے سے کوئی بڑا منکر پیدا ہوگا یا نہیں؟ ایک اجتہادی امر ہے جس میں اختلاف کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فکر غامدی ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

مؤلفین: حافظ محمد زبیر ◉ حافظ طاہر الاسلام صفحات: ۱۱۰، قیمت: ۷۰ روپے

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں جاوید احمد غامدی کے مآخذِ شریعت واُصولِ دین کا نقلی وعقلی دلائل کی روشنی میں جدید اَسالیبِ تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بھرپور ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے، جبکہ دوسرے حصے میں 'فرقہ غامدیہ' کے ان تفردات وشذوذات کا ایک علمی محاکمہ پیش کیا گیا ہے جو اُنہوں نے اجماعِ اُمت اور اہل سنت کی شاہراہ کو ترک کرتے ہوئے اختیار کیے۔ کتاب کا ٹائٹل عمدہ، کاغذ سفید اور طباعت دل نشین ہے۔

یہ کتاب فکر غامدی پر پہلی اچھوتی کاوش ہے جو ہر صاحبِ علم اور فکری ذوق رکھنے والے عالم دین/دانشور کے پڑھنے کی چیز ہے۔

رابطہ قرآن اکیڈمی: ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 5869501

www.KitaboSunnat.com

تصویر وطن ابوعبداللہ

جامعہ حفصہ کی کہانی؛ اخبارات کی زبانی

اسلام آباد میں جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی انتظامیہ کے درمیان تنازع بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔اس اختلاف کی رپورٹیں ۲۰ جنوری کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے مسجد امیر حمزہ اور اس سے ملحق مدرسے کو گرانے کے بعد میڈیا میں آنا شروع ہوئیں۔ لال مسجد کے خطیب کے ایک مبینہ بیان کے مطابق سی ڈی اے اسلام آباد کی طرف سے کچھ عرصے کے وقفے کے ساتھ سات سے زائد مساجد کو گرایا گیا۔ علاوہ ازیں معروف کالم نگار جناب عرفان صدیقی کے ۲۸ رجنوری ۲۰۰۷ء کے کالم کے بیان کے مطابق اسلام آباد انتظامیہ نے جامع مسجد ضیاء الحق، جامع مسجد شکر لال، جامع مسجد منگرال ٹاؤن، جامع مسجد راول چوک، مسجد شہدا، جامع مسجد مدنی، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو بھی گرانے کے لیے نوٹس جاری کر دیے تھے۔اسلام آباد انتظامیہ کی طرف سے مساجد و مدارس کو شہید کرنے کی اس مہم کی وجہ سے ملک بھر کے علما اور مذہبی حلقوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔علما کے ایک اجلاس میں 'تحریکِ تحفظ مساجد' کے قیام کا اعلان ہوا جس میں جامعہ حفصہ کی طالبات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے عزم کا اظہار کیا اور حکومت کو اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے کے لیے جامعہ حفصہ سے ملحق دو بڑے کمروں پر مشتمل ایک چلڈرن لائبریری پر قبضہ کر لیا۔

۲۵ رجنوری کی اخباری اطلاعات کے مطابق اسلام آباد میں تنظیم المدارس کی طرف سے مساجد شہید کرنے کے حکومتی اقدام کے خلاف ایک ریلی کا انعقاد کیا گیا جس میں اتحاد تنظیم مدارس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان، متحدہ مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری جنرل عبدالغفور حیدری، مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی، رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالمالک وغیرہ نے ریلی سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کے مساجد کو شہید کرنے کی مہم کو ہدفِ تنقید بنایا۔

www.KitaboSunnat.com

۲۷ جنوری کو لال مسجد کے مہتمم مولانا عبدالعزیز صاحب کی طرف سے اخبارات میں ایک بیان شائع ہوا کہ جس میں حکومت سے چند مطالبات کیے گئے تھے۔ ان مطالبات میں گرائی جانے والی مساجد کی تعمیر نو، ملک میں فحاشی کلچر کا خاتمہ، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو بھیجے گئے حکومتی نوٹس کی واپسی اور پرویز مشرف کا مساجد گرانے کے حوالے سے اللہ اور قوم سے معافی مانگنا شامل تھا۔ مولانا نے مزید یہ بھی کہا کہ طالبات کا چلڈرن لائبریری پر اس وقت تک قبضہ برقرار رہے گا جب تک ملک کے اندر اسلامی نظام نافذ نہیں کیا جاتا۔

☜ مولانا کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لال مسجد کی انتظامیہ نے شروع دن سے مساجد کی تعمیر نو کے علاوہ اپنے مطالبات میں فحاشی کے خاتمے اور اسلامی نظام کے نفاذ کی بات کی جو کہ ایک مستحسن امر ہے۔

۲۹/ جنوری کی اخباری اطلاعات کے مطابق، جامعہ حفصہ کی طالبات نے مسجد کے احاطے میں ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جس میں طالبات کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ جان چلی جائے، ہم اپنے مطالبات سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

یکم فروری کو متحدہ مجلس عمل کے صدر جناب قاضی حسین احمد کا یہ بیان اخبارت میں شائع ہوا:

''ذبح ہونے کو تیار ہوں، مسجد یا مدرسے کو گرانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جامعہ حفصہ کی طالبات سے اظہار یک جہتی کے لیے قوم چلہ کرے۔''

۳/فروری کے اخباری بیانات کے مطابق اسلام آباد پولیس نے کریک ڈاؤن کر کے مدارس کے ۱۲۵/اساتذہ اور طلبا کو گرفتار کرلیا۔ نیز جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کو اپنے تجاوزات ختم کرنے کے لیے ۲۴ گھنٹے کا نوٹس دے دیا۔

۵/فروری کی اخباری اطلاعات کے مطابق جامعہ حفصہ کی طالبات نے لائبریری کا قبضہ چھوڑنے سے انکار کر دیا جبکہ لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز کا یہ بیان شائع ہوا کہ اگر طالبات کے خلاف کوئی کاروائی کی گئی تو اسلام آباد میں لاوا پھٹے گا۔

۱۰/فروری کی اخباری اطلاعات کے مطابق، چلڈرن لائبریری پر جامعہ حفصہ کے قبضے کے حوالے سے علما اور حکومت کے مابین ہونے والے مذاکرات کی ناکامی کے بعد اسلام آباد

www.KitaboSunnat.com

پولیس نے جامعہ حفصہ پر کریک ڈاؤن کی تیاریاں شروع کر دیں، رینجرز نے گشت کرنا شروع کر دیا جبکہ جامعہ حفصہ کی طالبات نے بھی مدرسہ کی چھت پر پوزیشن سنبھال لی۔

۱۱؍فروری کے اخباری بیانات کے مطابق لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز نے ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ ہمیں اُڑانے اور معاملہ فوجی بریگیڈ کے پاس بھجوانے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔حکومت نے ہمارے فون کاٹ دیے، میرا موبائل فون چار گھنٹے بند رہا۔اسی طرح حکومت دو سو طالبات کو لائبریری سے بے دخل کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا چاہتی ہے، حالانکہ طالبات نے لائبریری پر قبضہ صرف اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے کے لیے کیا تھا۔

۱۲؍فروری کی اخباری اطلاعات کے مطابق لائبریری سے طالبات کا قبضہ ختم کروانے کے لیے علما اور حکومت کے مابین مذاکرات کسی نتیجے کے بغیر ختم ہو گئے۔جس پر انتظامیہ نے ویمن پولیس، ایف سی اور رینجرز طلب کر لی، جامعہ حفصہ نے بھی فارغ التحصیل طالبات کو بلوا لیا۔

۱۳؍فروری کی اخباری اطلاعات کے مطابق وزیر داخلہ جناب آفتاب احمد شیر پاؤ کی رہائش گاہ پر حکومت اور علما کے درمیان تقریباً چار گھنٹے مذاکرات ہوتے رہے جس کے نتیجے میں علما، سی ڈی اے اور انتظامیہ کے نمائندوں پر مشتمل آٹھ رکنی کمیٹی قائم کی گئی۔ علاوہ ازیں مسجد امیر حمزہ کی دوبارہ تعمیر کا نوٹیفکیشن بھی جاری کیا گیا۔

۱۸؍فروری کے اخباری بیانات کے مطابق ضلعی حکومت نے علماے کرام کی وساطت سے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کو لائبریری کا قبضہ چھوڑنے کے لیے ۴۸ گھنٹے کا الٹی میٹم دے دیا جبکہ لال مسجد کی انتظامیہ نے مطالبات پورے ہونے تک قبضہ برقرار رکھنے کا اعلان کیا۔

۱۶؍فروری کی اخباری اطلاعات کے مطابق وزیراعظم جناب شوکت عزیز نے ایک نجی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ہم جب چاہیں لائبریری کا قبضہ ختم کرا سکتے ہیں، قبضہ چھڑانا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ معاملہ افہام وتفہیم اور خوش اسلوبی سے حل ہو، تاکہ بچیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

۹؍ مارچ کی اخباری اطلاعات کے مطابق جناب پرویز مشرف نے اسلام آباد میں یومِ

www.KitaboSunnat.com

خواتین کے موقع پر کنونشن سنٹر میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ لال مسجد میں خواتین نے حکومت کو چیلنج کیا ہے۔ہمیں کمزور نہ سمجھا جائے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ خواتین خودکش حملے کے لیے تیار ہیں لیکن میں ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں اندر جا کر لیڈ کرنے کو تیار ہوں لیکن کیا ادھر جا کر عورتوں کو ماریں؟ مسجد کو اُڑا دیں؟

تنازع کا دوسرا مرحلہ اور آنٹی شمیم کے واقعے کی اصل حقیقت

درمیان میں کچھ دن فریقین کی طرف سے خاموشی رہی لیکن ۲۵/ مارچ کو جامعہ حفصہ کی طالبات اور لال مسجد کے طلبا کی طرف سے آنٹی شمیم نامی ایک عورت اور اس کی بہو اور بیٹی کے جامعہ حفصہ منتقلی کا ایک واقعہ ایسا ہوا کہ جس نے اس تنازع کو ایک دفعہ پھر بھڑکا دیا۔آنٹی شمیم کے واقعے کا حقیقی پس منظر کیا ہے؟ اس بارے میں ہم لال مسجد کی انتظامیہ کا وہ بیان یہاں نقل کر رہے ہیں جو کہ لال مسجد کی ویب سائٹ پر ۲۶/ مارچ کی پریس ریلیز کے حوالے سے موجود ہے:

''لال مسجد کے طلبہ نے فحاشی وعریانی اور بدکاری کے اڈّوں کے خلاف اپنی مہم تیز کرتے ہوئے مختلف بازاروں اور مختلف علاقوں کے دورے شروع کر دیے جس میں میلوڈی، آبپارہ ودیگر مارکیٹیں شامل ہیں۔طلبہ نے ویڈیو سنٹروں پہ جا کر ان کو پیار ومحبت سے اس کام کو چھوڑنے کے لیے کہا تو الحمدللہ سب نے اس کام کو چھوڑنے کا وعدہ کیا۔گذشتہ روز طلبا کو آبپارہ کے کچھ لوگوں نے یہ اطلاع دی کہ یہاں آنٹی شمیم نامی خاتون اپنے گھر میں بدکاری کا اڈّہ چلا رہی ہے جس کے بعد مشورے سے یہ ترتیب قائم کی گئی کہ مردوں کا اندر جانا ٹھیک نہیں ہے، اس لیے کچھ طالبات بمع معلّمات اندر جائیں گی اور طلبہ باہر کھڑے رہیں گے۔تفصیلات کے مطابق تقریباً دن کے ساڑھے بارہ بجے ایک گاڑی میں طلبہ، دوسری گاڑی میں معلّمات بمع طالبات وہاں پہنچیں۔طلبہ باہر کھڑے رہے۔ محلے کے آتے جاتے لوگوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ ہم تو اس اڈّے سے بہت تنگ تھے اور محلے والوں نے یہ بھی بتلایا کہ یہاں اوسطاً روزانہ کوئی ۱۵۰ کے قریب مرد آتے ہیں اور کئی بار پولیس بھی اس پر چھاپہ مار چکی ہے لیکن وہ بے بس نظر آتی ہے کیونکہ ان کے تعلقات بہت اونچے لوگوں سے ہیں۔معلّمات اور طالبات جب اندر پہنچیں تو اندر کئی نوجوان لڑکیاں فل میک اپ میں تھیں اور برقعوں میں ملبوس اتنی خواتین کو دیکھ کر گھبراہٹ میں ایک لڑکی کمرے سے نیم برہنہ حالت میں نمودار ہوئی۔

www.KitaboSunnat.com

طالبات نے اڈّے کی نگران سے کہا: یہ غلط کام کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ بہنیں اور بیٹیاں آپ کی ہیں، آپ نے ان لوگوں کو غلط کاموں میں ڈال رکھا ہے۔ اس پر اس عورت نے کہا: میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور میں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں اور میں تم لوگوں کو دیکھ لوں گی۔ اس پر طالبات نے کہا کہ وہ بھی سوائے اللہ سے کسی سے ڈرنے والی نہیں ہیں اور ہم تو آپ کو پیار ومحبت سے بات سمجھا رہے ہیں اور آپ دھمکیاں دے رہی ہیں۔ اس نے ایک سوال یہ کیا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ تو طالبات نے کہا کہ ہمیں محلے والوں نے بتایا ہے تو اس نے کہا کہ میں محلے والوں سے نمٹ لوں گی۔ طالبات کے واپس آنے کے بعد اس محترمہ کی طرف سے معلّمات کو دھمکی آمیز فون موصول ہونے شروع ہو گئے تو معلّمات نے جواب دیا: آپ اپنے اخلاق وکردار کو تبدیل کریں، ہم دھمکیوں سے مرعوب ہونے والی نہیں ہیں، ہم سوائے اللہ سے اور کسی سے نہیں ڈرتیں۔ اس محترمہ نے بعد ازاں اہل محلّہ کو بھی دھمکیاں دیں۔ لال مسجد کے طلبہ نے لال مسجد میں ایک شکایت سنٹر قائم کر دیا ہے اور ایسے ہی جامعہ حفصہ میں مستوارات کے لیے ایک شکایت سنٹر قائم کر دیا گیا ہے۔'' (www.lalmasjid.com)

یہ وہ پس منظر تھا کہ جس میں آنٹی شمیم کو غالباً ۲۷/ مارچ کو جامعہ حفصہ کی دو معلّمات، ان کے دو مرد ساتھیوں اور ڈرائیور نے جامعہ حفصہ پہنچایا تھا۔

۲۹/ مارچ: مبینہ ذرائع کے مطابق پولیس نے جامعہ حفصہ کی دو معلّمات، ان کے دو مرد ساتھیوں اور ڈرائیور کو آنٹی شمیم اغوا کیس میں گرفتار کرلیا جبکہ جوابی کاروائی کرتے ہوئے لال مسجد کے طلبا نے دو پولیس اہلکاروں اور دو پولیس کی گاڑیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ رات گئے تک ضلعی حکومت اور لال مسجد کی انتظامیہ میں مذاکرات ہوتے رہے، مذاکرات کے نتیجے میں ضلعی حکومت نے ان دو معلّمات، ان کے دو مرد ساتھیوں اور ڈرائیور کو رہا کر دیا جن پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے جی سکس اسلام آباد سے آنٹی شمیم نامی ایک خاتون، ان کی بیٹی، بہو اور چھ ماہ کی پوتی کو جامعہ حفصہ پہنچا دیا تھا۔ لال مسجد کے خطیب نے ان افراد کی رہائی کے بعد دو پولیس اہل کاروں اور موبائل گاڑیوں کو چھوڑ دیا لیکن آنٹی شمیم اور ان کی رشتہ دار خواتین کو تا حال لال مسجد نے اپنی تحویل میں رکھا۔

۳۰/ مارچ: مبینہ ذرائع کے مطابق بدکاری کا اڈّا چلانے کے الزام میں محبوس شمیم اختر، اس کی بیٹی اور بہو کو اڑھائی دن کی یرغمالی کے بعد لال مسجد کی انتظامیہ نے برقعے پہنا کر رہا کر

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ آنٹی شمیم کے سامنے تین آپشن رکھے گئے تھے: ایک یہ کہ ان کے خلاف کسی حکومتی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا اور جامعہ حفصہ کی طالبات ان کے خلاف گواہی دیں گی، دوسرا یہ کہ ان کے خلاف لال مسجد کی شرعی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ تیسرا یہ کہ وہ اپنے گناہ کا اقرار کرنے کے بعد توبہ کرلیں۔ آنٹی شمیم نے تیسرا آپشن قبول کرلیا اور ان کی توبہ کے بعد لال مسجد کی انتظامیہ نے اُنہیں رہا کر دیا۔ آنٹی شمیم نے رہائی کے بعد بیان دیا کہ اُنہوں نے جرم کا اقبال اپنی بیٹی اور بہو کو بچانے کے لیے کیا تھا۔ علاوہ ازیں تھانہ آبپارہ کے ڈیوٹی آفیسر کے بیان کے مطابق لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز غازی اور نائب خطیب مولانا عبدالرشید غازی سمیت اسی نامعلوم طلبا و طالبات کے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا۔

۳۱/مارچ: مبینہ ذرائع کے مطابق لال مسجد کے کے خطیب نے اپنے خطابِ جمعہ کے دوران درج ذیل مطالبات کیے: حکومت فوری طور پر نفاذِ شریعت کا اعلان کرے، ورنہ آئندہ جمعہ لال مسجد میں منعقدہ 'نفاذِ شریعت کانفرنس' میں ہم خود اس کا اعلان کریں گے۔ حکومت عریانی و فحاشی کے اڈے بند کرے اور اسلامی نظام نافذ کر کے فحاشی کے مرتکب افراد کو بیس کوڑے لگائے، ورنہ لال مسجد میں قاضی کی عدالت میں ان پر حد لاگو کی جائے گی۔ بہت صبر کیا، مرجائیں گے لیکن فحاشی کے اڈّے نہیں چلنے دیں گے۔ نائب خطیب جناب عبدالرشید غازی صاحب کا بیان آیا کہ آنٹی شمیم سے پورا محلّہ تنگ تھا۔ آنٹی شمیم کے خلاف تقریباً اڑھائی سو معززین محلّہ نے میڈیا کو بیانات دیے۔

یکم اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جامعہ حفصہ کی طرف سے اسلام آباد میں ویڈیو اور سی ڈیز کا کاروبار کرنے والے مالکان کو اس کاروبار کے تبدیل کرنے پر معاوضے کی پیش کش کی گئی۔ علاوہ ازیں ایک نجی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے لال مسجد کے خطیب جناب عبدالعزیز غازی صاحب نے کہا: آنٹی شمیم اس علاقے میں تقریباً دس برس سے کاروبار چلا رہی تھی، جامعہ حفصہ کی طالبات اس کو سمجھانے کے لیے گئی تھیں لیکن اس کا ردّعمل ایسا تھا کہ وہ اس کو اُٹھا کر لے آئیں۔ اُنہوں نے مزید یہ کہا کہ حکومت طالبات کے لائبریری پر قبضے کے معاملے کو بہت اُچھال رہی ہے۔ اس وقت کیا ہوا تھا جب ٹونی بلیر کے اس بیان پر کہ ''حکومت

www.KitaboSunnat.com

مدرسوں کے بارے میں کچھ کرے۔'' دوسرے ہی روز پچاس کمانڈوز طالبات کے مدرسے میں گھس آئے۔ بعد ازاں طالبات پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا، اُنہیں زمین پر لٹا کر ڈنڈے اور ٹھڈے مارے گئے۔

۳/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے حکومت کو مذاکرات کی دعوت دے دی۔ لال مسجد کی انتظامیہ نے یہ بیان دیا کہ آئندہ جامعہ حفصہ کی طالبات اور لال مسجد کے طلبا انتظامیہ کی اجازت کے بغیر کوئی کاروائی نہیں کریں گے۔ آنٹی شمیم کے خلاف محلّہ داروں نے کئی درخواستیں متعلقہ تھانے میں دی تھیں لیکن اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی، حکومت اور این جی اوز آنٹی شمیم کے معاملے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہیں۔ اگر حکومت شہید کی گئی مساجد دوبارہ تعمیر کر دے تو طالبات چلڈرن لائبریری کا قبضہ چھوڑ دیں گی۔ جن علما نے جامعہ حفصہ کی طالبات کے خلاف فتویٰ دیا، انہوں نے امر واقعہ کی تحقیق کے بغیر فتویٰ دیا۔

۴/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق لال مسجد کے نائب خطیب مولانا جناب عبد الرشید غازی نے گوجرانوالہ سے آنے والے علما کے ایک وفد سے خطاب کے دوران سختی سے اس افواہ کی تردید کی ہے کہ عدلیہ کے بحران سے توجہ ہٹانے کے لیے جامعہ حفصہ کا ایشو کھڑا کیا گیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ عدلیہ کا بحران مارچ میں پیدا ہوا جبکہ جامعہ حفصہ کا مسئلہ اَوائل جنوری سے چلا آ رہا ہے۔

۵/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق سیکرٹری داخلہ کمال شاہ نے جمعرات کے روز اعلیٰ سطحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وفاقی حکومت نے لال مسجد کے معاملے پر طاقت کے استعمال کو آخری آپشن قرار دیا ہے۔

۶/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق آج لال مسجد میں نفاذِ شریعت اور 'عظمتِ جہاد کانفرنس' کے اختتام پر نفاذِ شریعت کا اعلان ہوگا۔ دس مفتیان پر مشتمل ایک شرعی عدالت قائم کی جائے گی۔ ہزاروں افراد ملک بھر سے لال مسجد پہنچ گئے۔ لال مسجد کے نائب خطیب نے کہا کہ آنٹی شمیم کو سمجھانے کے لیے لے جانے کے بعد بعض لوگوں نے ہمارے خلاف زہریلی مہم شروع کر رکھی ہے۔ جامعہ حفصہ کی طالبات نے کسی بھی مارکیٹ میں جا کر ایک بار بھی تاجروں کو

www.KitaboSunnat.com

دھمکی نہیں دی۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ بعض لوگ ہمارا موقف سنے بغیر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

۷/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جناب پرویز مشرف نے اپنے ایک بیان میں کہا: ''لال مسجد والے غیر اسلامی کاروائیاں چھوڑ دیں، ڈنڈہ بردار آ گئے تو ملک میں لا قانونیت پھیل جائے گی۔ ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے، لال مسجد والے اپنا بند ذہن کھولیں، دعا ہے اللہ اُنھیں ہدایت دے۔'' جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے بیان دیا: ''علما داعی ہیں، قاضی نہیں۔ شرعی عدالت کا قیام خلافِ دین ہے۔'' جناب پرویز الٰہی کا درج ذیل بیان اخبارات میں شائع ہوا: ''لال مسجد کا معاملہ مذاکرات سے حل کرنا چاہیے، لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی طالبات قانون ہاتھ میں نہ لیں۔ قوانین بنانا اور اُنہیں نافذ کرنا ریاست کا کام ہے۔'' جناب قاضی حسین نے بیان دیا: ''شریعت کورٹس ہر جگہ موجود ہیں، خانہ جنگی چاہتے ہیں اور نہ ریاست کے اندر ریاست چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کو استعماری ایجنٹوں سے آئینی اور قانونی طور پر آزاد کرائیں گے۔''

۸/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق حکومت نے لال مسجد کی ویب سائٹ پر پابندی لگا دی۔ جناب پرویز مشرف کے ایما پر جناب چوہدری شجاعت حسین لال مسجد کی انتظامیہ سے مذکرات کے لیے گئے۔ تقریباً دو گھنٹے تک یہ مذاکرات جاری رہے، دونوں فریقین اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ نیویارک سے شائع ہونے والے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے لال مسجد کی انتظامیہ نے اپنے ایک بیان میں کہا: ''ہم ایسی عدالت سے انصاف کی اُمید نہیں رکھتے جس کے سربراہ کو سڑکوں پر بال پکڑ کر گھسیٹا گیا، جس کا سربراہ خود انصاف مانگتا پھر رہا ہے۔'' ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ''جامعہ حفصہ کی سات ہزار خواتین میں سے ستر فی صد کا تعلق شمالی علاقہ جات سے ہے اور وہ کلاشنکوف چلانا جانتی ہیں۔''

۹/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وزیر داخلہ جناب آفتاب احمد شیر پاؤ نے ایک نجی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: حکومت کا موقف ہے کہ معاملہ پر امن طریقے سے حل ہو۔ جامعہ حفصہ کی طالبات کے والدین کو متنبہ کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے ایک اشتہاری مہم

www.KitaboSunnat.com

چلانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ دوسری طرف سے لال مسجد کے نائب خطیب عبدالرشید غازی کی طرف سے اعلان ہوا: ہم نے مذاکرات کے دروازے بند نہیں کیے۔

۱۰/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جناب پرویز مشرف نے کہا: کالے کوٹوں اور کالے برقعوں کو اکٹھا نہیں ہونے دیں گے۔ صدارتی کیمپ آفس راولپنڈی میں حکومتی عہدیداران کے اہم اجلاس میں کئے گئے فیصلے کے دوران یہ کہا گیا: لال مسجد کی انتظامیہ کے خلاف میڈیا مہم شروع کی جائے۔ وفاقی وزیر تعلیم جناب جاوید اشرف قاضی نے بیان دیا: ''جامعہ حفصہ سرکاری زمین پر قبضہ کر کے بنایا گیا ہے، فوری خالی کرائیں گے۔'' جناب چوہدری شجاعت نے اپنے ایک بیان میں مذاکرات کی حمایت کی اور اس بات پر زور دیا کہ معاملہ پر امن طریقے سے حل ہو۔''

۱۱/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جناب چوہدری شجاعت نے ایک دفعہ پھر منگل کی شب جامعہ حفصہ کا دورہ کیا، یہ مذاکرات تقریباً اڑھائی گھنٹے جاری رہے جس کے نتیجے میں حکومت نے سات شہید کی گئی مساجد کی دوبارہ تعمیر کی یقین دہانی کرائی، علاوہ ازیں دونوں بھائیوں نے اس وقت تک چلڈرن لائبریری پر قبضہ برقرار رکھنے کا اعلان کیا جب تک کہ حکومت شریعت کو نافذ کرنے کی یقین دہانی نہیں کراتی۔

۱۲/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وزیراعظم جناب شوکت عزیز کی صدارت میں وفاقی کابینہ کا اجلاس تقریباً پانچ گھنٹے تک جاری رہا۔ وفاقی وزیر برائے بندرگاہ و جہاز رانی جناب بابر غوری، وفاقی وزیر تعلیم جناب جاوید اشرف قاضی اور وزیر خارجہ جناب خورشید قصوری کا کہنا تھا کہ لال مسجد کے خلاف فوراً ایسا ایکشن لیا جائے کہ جس سے یہ معاملہ ختم ہو جائے جبکہ بعض دوسرے وزرا جن میں وزیر مذہبی اُمور جناب اعجاز الحق' وزیر داخلہ جناب آفتاب احمد شیر پاؤ اور جناب ہمایوں اختر شامل ہیں، کا بیان تھا کہ معاملہ مذاکرات کے ذریعے ہی حل ہونا چاہیے۔ جبکہ دوسری طرف آئی این پی کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو کے دوران مولانا عبد العزیز غازی نے کہا: ''ایم ایم اے والے سرحد میں اپنی حکومت کے باوجود اسلامی نظام نافذ نہیں کر سکے، وہ ہماری مدد کیا کریں گے۔ ایم ایم اے والے جمہوریت کے ذریعے اسلامی

www.KitaboSunnat.com

نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں جبکہ ہم جہاد کے ذریعے اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ پانچ لاکھ کے قریب استحصالی ٹولے نے سترہ کروڑ عوام کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ جب تک اسلامی نظام نافذ نہیں ہوتا، چلڈرن لائبریری پر اپنا قبضہ ختم نہیں کریں گے۔ چوہدری شجاعت حسین سے کہا ہے کہ ہم ریڈیو پر اپنا موقف پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ عوام الناس کو معلوم ہو کہ ہمارا موقف کیا ہے۔ ہم پرویز مشرف کے نہ تو خلاف ہیں اور نہ ہی ہماری اس سے کوئی دشمنی ہے البتہ ہمارے خلاف آپریشن آپریشن کی رٹ لگانے کی وجہ سے ہم نے فدائی حملوں کی بات کی تھی۔ ہم نے ریاست کے اندر ریاست قائم نہیں کر رکھی بلکہ پاکستان میں ایس ایچ او سمیت ہر چھوٹے بڑے افسر نے ریاست کے اندر اپنی ایک ریاست قائم کر رکھی ہے۔ ہمارے پاس اسلحہ ہے لیکن روایتی اسلحہ نہیں، ہمارے طالب علموں نے اپنے جسموں کو اسلحہ بنا رکھا ہے۔ لال مسجد میں لائسنسی بندوقیں ہیں، اگر حکومت نے کریک ڈاؤن کیا تو ہم اپنا دفاع کریں گے۔ مجھ پر ایجنسیوں کا بندہ ہونے کے الزامات محض الزامات ہیں، میں صرف اللہ کا بندہ ہوں۔''

۱۳/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وفاقی وزیر تعلیم جناب جاوید اشرف نے کہا: دینی مدارس میں قبضہ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ ہم نے دینی مدارس کے کردار کو کم کرنے کے لیے اسلامیات کا جدید سلیبس تشکیل دیا ہے جس کے بعد بچوں کو اسلامی تعلیم کے لیے مدارس کی طرف رخ نہیں کرنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں لال مسجد کی انتظامیہ سے مذاکرات کے نتیجے میں ان کی ویب سائٹ بحال کر دی گئی۔ وفاق المدارس کے علما نے وفاقی وزیر برائے مذہبی اُمور جناب اعجاز الحق کے ساتھ کی گئی ایک میٹنگ میں کہا: اگر لال مسجد کے خلاف آپریشن کیا گیا تو علما لال مسجد کا ساتھ دیں گے۔

۱۴/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید غازی صاحب نے کہا: چوہدری شجاعت سے مذاکرات کے اختتام تک شرعی عدالت غیر فعال رہے گی۔ جبکہ مولانا عبدالعزیز غازی نے اپنے جمعہ کے خطبے میں کہا: اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پرامن تحریک چلائیں گے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے موقف سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ ہماری جدوجہد باطل نظام کے خلاف ہے، اگر پرویز مشرف اسلامی نظام نافذ کرتے ہیں تو ان

www.KitaboSunnat.com

کی جوتیاں اُٹھانے کو تیار ہوں۔ڈنڈے اور تیزاب کی بات ہم نے نہیں کی، ڈنڈا تو وہ استعمال کر رہے ہیں جنہوں نے وزیرستان میں تباہی پھیلائی۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ چوہدری شجاعت کا رویہ مثبت ہے لیکن اعجاز الحق آپریشن کی بات کرتے ہیں۔

۱۵/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق جامعہ بنوری ٹاؤن میں ایک علما کنونشن کے اختتام کے موقع پر وفاق المدارس کے جنرل سیکرٹری مولانا حنیف جالندھری صاحب نے کہا: جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے معاملے میں حکومت ہوش کے ناخن لے اور کسی انتہائی اقدام سے گریز کرے۔لال مسجد کے نائب خطیب جناب عبدالرشید غازی کی طرف سے یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا: کلاشنکوفی شریعت نافذ کی اور نہ ہی شٹل کاک برقعے کے علمبردار ہیں۔ علاوہ ازیں بہارہ ٹاؤن اسلام آباد کے علاقے میں عمران ویڈیو شاپ کے مالک نے بعض نامعلوم طلبا کے دباؤ پر پندرہ سو ویڈیوز اور سی ڈیز جلا دیں۔بعدازاں پولیس نے تین طلبا اور دکاندار کو گرفتار کرلیا لیکن لال مسجد کی انتظامیہ نے کہا کہ اس کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۶/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق متحدہ قومی موومنٹ کے کارکنوں نے کراچی میں لال مسجد اسلام آباد میں قاضی عدالت کے قیام کے خلاف مظاہرہ کیا۔لندن سے ایک ٹیلی فونک کال کے ذریعے متحدہ کے سربراہ جناب الطاف حسین نے اس ریلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا: حکومت اور مشرف نے مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف فوری کاروائی نہ کی تو پھر دمادم مست قلندر ہوگا۔خواتین پر تیزاب پھینکنے والے ہاتھ کاٹ دیں گے۔قاضی کی ملین مارچ کی حسرت ہم نے پوری کردی۔لال مسجد والے ملک کو سولہویں صدی میں لے کر جانا چاہتے ہیں جبکہ ہم اکیسویں صدی میں۔ انتہاپسندوں سے اسلام آباد سہما ہوا ہے، عوام کلاشنکوف اور ڈنڈا بردار شریعت کے خلاف ہیں۔خواتین کو ڈرائیونگ سے روکا جا رہا ہے، ملازمت پیشہ خواتین کے لیے کام کرنا مشکل بنا دیا گیا ہے۔جبکہ دوسری طرف لال مسجد کی انتظامیہ نے الطاف حسین کے لگائے گئے الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا: کلاشنکوفی اور لسانی سیاست کے خالق کو کروڑوں عوام جانتے ہیں۔الطاف حسین کے دامن پر ہزاروں بے گناہ انسانوں کے خون کے دھبے لگے ہیں۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ لاشوں کی سیاست کرنے والوں کو قرآن کی تشریح کا

www.KitaboSunnat.com

کوئی حق حاصل نہیں۔اُنہوں نے کہا کہ جامعہ حفصہ یا لال مسجد کے کسی طالب علم نے بھی نہ تو اسلام آباد میں کسی خاتون کو گاڑی چلانے سے روکا ہے اور نہ ہی کسی دوکاندار کو دھمکی دی ہے اور نہ ہی کسی خاتون پر تیزاب پھینکنے کا واقعہ اسلام آباد میں ہوا ہے۔

۱۷/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق ایک فوجی ہیلی کاپٹر نے سوموار کے روز تقریباً صبح ساڑھے دس بجے کے قریب جامعہ حفصہ اور اس سے متصل لال مسجد کے اوپر کافی دیر تک پرواز کی۔لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالرشید غازی صاحب نے بی بی سی کو اپنے ایک انٹرویو کے دوران کہا: فوجی ہیلی کاپٹر تقریباً بیس منٹ تک لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی فضا میں پرواز کرتا رہا، ہیلی کاپٹر کی پرواز بہت نیچی تھی اور اس میں بیٹھے ایک فوجی نے مدرسے کی تصویریں بھی اُتاریں۔علاوہ ازیں ہیلی کاپٹر سے طلباء و طالبات پر کیمیائی گیس بھی پھینکی گئی۔مولانا کا کہنا تھا کہ جب اس مسئلے میں چوہدری شجاعت سے بات ہوئی تو اُنہوں نے اس واقعے سے لاعلمی کا اظہار کیا اور واقعے کی تحقیقات کرانے کی یقین دہانی کرائی۔

۱۸/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق لال مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے یہ بیان اخبارات میں آیا: زہریلی گیس سے جامعہ حفصہ کی پانچ سو معلّمات و طالبات چوبیس گھنٹے گزرنے کے باجود بھی، ابھی تک متاثر ہیں جبکہ بعض طالبات کیمیائی گیس کے اثرات سے بے ہوش بھی ہوئیں۔ایک نجی ٹی وی کے ملازمین نے جو کہ موقع پر موجود تھے، اس واقعے کی تصاویر بھی لیں۔علاوہ ازیں جامعہ حفصہ میں موجود سوئٹزرلینڈ کی دو صحافی خواتین نے بھی اس واقعے کو کور کیا۔جبکہ دوسری طرف پشاور میں منعقدہ جمعیت علماے اسلام کے زیر اہتمام ایک کنونشن میں ملک بھر کے دو ہزار علما، مذہبی اساتذہ اور مدارس کے منتظمین نے لال مسجد، اسلام آباد کی انتظامیہ کی طرف سے نفاذِ شریعت کے اعلان کو دینی مدارس کے خلاف ایک سازش قرار دیا اور خودکش حملے اور شریعت کے جبری نفاذ کو غیر اسلامی قرار دیا۔

۲۰/اپریل: وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ کی دو روزہ میٹنگ کے بعد ایک اعلامیہ جاری کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان درج ذیل مطالبات کیے گئے: حکومت جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے مطالبات کو منظور کرے، ملک میں اسلامی نظام نافذ کرے، گرائی جانے والی مسجد

www.KitaboSunnat.com

کو دوبارہ تعمیر کروائے، بدکاری اور فحاشی کے اڈّے ختم کرے۔ اس اعلامیہ کے مطابق مجلس عاملہ نے جامعہ حفصہ کے مطالبات کو درست قرار دیا لیکن اُنہوں نے کہا کہ جامعہ حفصہ کی طالبات اور لال مسجد کی انتظامیہ کا طریق کار غلط ہے۔

۲۲/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق مسلم لیگ (ق) کے صدر جناب چوہدری شجاعت نے بیان دیا کہ وہ لال مسجد کی انتظامیہ سے خود ملنے نہیں گئے تھے بلکہ اُنھیں حکومت نے بھیجا تھا اور مسئلہ حل ہونے کے قریب ہے۔ دوسری طرف وفاق المدارس العربیہ کی مجلس عاملہ نے اپنے ایک اجلاس میں جامعہ حفصہ اسلام آباد اور لال مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ، اسلام آباد میں گرائی جانے والی مساجد کی دو بارہ تعمیر، بدکاری اور فواحش کے اڈے ختم کرنے اور نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ کی خلافِ اسلام دفعات کی منسوخی کے مطالبات کی حمایت کی ہے۔ مجلس عاملہ کی طرف سے جاری کردہ ایک اعلامیہ میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ ملک میں اسلامی احکام وقوانین کی عمل داری، اسلامی اقدار وروایات کے فروغ اور منکرات وفواحش کے سدِباب کے لیے پرامن اور دستوری جدوجہد پر یقین رکھتی ہے۔

۲۳/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وزیراعظم شوکت عزیز کی زیرصدارت ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں جامعہ حفصہ اور فریدیہ کو متبادل جگہ منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک نجی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق جب صدر پرویز مشرف کرنل کے عہدے پر فائز تھے تو وہ لال مسجد کے قریب رہتے تھے اور جامعہ فریدیہ میں آتے تھے۔ ان کے والد سید مشرف مدرسے میں کھانا بھی بھجواتے تھے۔

لال مسجد کے نائب خطیب نے بتایا کہ اظہر اقبال قوم اعوان جو کہ جہلم شہر کا رہائشی ہے اور ضلع ناظم کا خاص دوست اور پولیس کا ایجنٹ ہے، اس نے محمد اسلم نامی آدمی کے بیٹے کو شراب نوشی کی عادت ڈالی اور اس کی بیوی کو چرس کے الزام میں جیل بھوا دیا اور گھر میں موجود اس کی تین بیٹیوں میں سے ایک بیٹی سلمٰی (عمر ۷ سال) کو ماں سے ملوانے کے بہانے جیل لے گیا اور اس کو وہاں نیند کی گولیاں کھلا کر بے ہوشی کے عالم میں اس سے زیادتی کی اور اس کی ویڈیو فلم بھی بنا ڈالی۔ بعد ازاں اس شخص نے اپنے بھتیجے عمران عرف مانی کے ساتھ مل کر اس لڑکی کی

www.KitaboSunnat.com

دوسری بہن ثمینہ (عمر ۱۶ سال) کو بھی اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا۔ ان بہنوں نے پولیس سے رابطہ کرنے کی بجائے لال مسجد میں قائم شکایت سنٹر میں اپنی شکایت درج کرا دی جس پر لال مسجد کی انتظامیہ نے دونوں خواتین کے ساتھ زیادتی کا مقدمہ بطورِ ٹیسٹ کیس حکومت کی طرف بھوا دیا اور کہا کہ خلافِ توقع نتائج کی صورت میں اس کا فیصلہ لال مسجد کی شرعی عدالت اور ملک بھر کے علما کریں گے۔

۲۵/اپریل: اخباری اطلاعات کے مطابق جناب چودھری شجاعت کی لال مسجد کے خطیب و نائب خطیب سے دو گھنٹے کی ملاقات ہوئی جس کے بعد جناب چوہدری شجاعت نے بیان دیا کہ لال مسجد میں کوئی اسلحہ نہیں ہے اور میری ملاقات لال مسجد کی طالبات سے ہوئی ہے، میں ان سے بہت متاثر ہوں۔ اُنہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جامعہ حفصہ میں آپریشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُنہوں نے ایک اور سوال کے جواب میں کہا کہ جہلم ریپ کیس کے ملزمان کے خلاف مقدمہ اسلام آباد میں درج ہوگا اور ایس ایچ او جہلم کو اسلام آباد طلب کرلیا گیا ہے۔

۲۶/اپریل: اخباری بیانات کے مطابق چوہدری شجاعت نے وزیراعظم شوکت عزیز سے ملاقات کے دوران کہا کہ جامعہ حفصہ کا معاملہ حل کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہم نے ان کے مطالبات مان لیے ہیں اور اُنہوں نے ہمارے مطالبات مان لیے ہیں۔ علاوہ ازیں پولیس تھانہ سول لائن جہلم نے اظہر اقبال اور عمران عرف مانی کے خلاف مقدمہ درج کر کے اظہر اقبال کو حراست میں لے لیا جبکہ عمران عرف مانی پہلے ہی سے شراب نوشی کے جرم میں جیل میں تھا۔

۲۸/اپریل: اخباری بیانات کے مطابق لال مسجد کے خطیب نے خطابِ جمعہ میں کہا کہ حکومت اسلامی نظام نافذ کرے تو وہ چلڈرن لائبریری تو کیا جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ بھی ان کے حوالے کر دیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس مسجد سے چالیس سال سے یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ ملک میں خلافتِ راشدہ کا نظام قائم کیا جائے اور پچھلے تین ماہ سے اس مطالبے میں زور آ گیا ہے۔

۲۹/اپریل: مبینہ ذرائع کے مطابق وزیراعظم شوکت عزیز نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں دینی مدارس پر فخر ہے۔ دینی مدارس کے حوالے سے معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مدارس تعلیمی شعبے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔بعض مدارس کے بارے میں غلط فہمیاں دور کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۹/اپریل :اخباری اطلاعات کے مطابق آنٹی شمیم نے اپنے حالاتِ زندگی اور گاہکوں کے بارے میں ایک کتاب لکھنے کا اعلان کیا اور اس کتاب کے شائع کرنے کی ذمہ داری آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ نے لے لی۔میڈم شمیم نے کہا کہ بعض ادارے مجھے قتل کروا کے اس کی ذمہ داری لال مسجد کے خطیب و نائب خطیب پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ایک حکومتی شخصیت نصر اللہ دریشک کے کے گھر پر ایک عشائیے میں بعض اراکین اسمبلی،سپیکر قومی اسمبلی جناب امیر حسین اور وزیراعظم شوکت عزیز نے آنٹی شمیم کے اس بیان وراس کے نتائج پر بحث کی۔ایک رکن صوبائی اسمبلی کے بیان کے مطابق اس کتاب کے شائع ہونے سے بہت سے اراکین اسمبلی کی ازدواجی زندگیاں خطرے میں پڑسکتی ہیں بلکہ بہت سوں کو طلاق کی نوبت بھی آسکتی ہے۔

۲/مئی : امام کعبہ نے وفاقی وزیر اعجاز الحق سے سعودی عرب میں ملاقات کے دوران کہا کہ پاکستان میں خودکش حملے کرنے والے گمراہ ہیں۔اسلام سرکاری یا کسی کی ذاتی زمین پر قبضہ کر کے مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔حکومت کے ہوتے ہوئے کوئی فرد اپنی شرعی عدالت قائم نہیں کرسکتا۔ یہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے، اگر وہ پورا نہیں کرتے تو اللہ کو جوابدہ ہوں گے۔جبکہ دوسری طرف لال مسجد کے نائب خطیب نے یہ بیان دیا کہ امام کعبہ کو حقائق کے منافی معلومات فراہم کی گئیں، چودھری شجاعت معاملہ کو حل کرنا چاہتے ہیں جبکہ اعجاز الحق اس کو اُلجھا رہے ہیں۔

یہ اب تک حکومت اور لال مسجد کی انتظامیہ کے مابین ہونے والے تنازع کی ایک مختصر واقعاتی روداد ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لال مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے کیے گئے کون سے اقدامات درست تھے اور کون سے غلط؟ تو اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر 'محدث' کے حالیہ شمارے میں قارئین کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں شرعی رہنمائی پیش کر دی گئی ہے جس کے مطالعہ کے بعد قارئین کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

حافظ زبیر علی زئی
مدیر 'الحدیث' حضرو

روایتِ حدیث میں امام عبدالرزاق صنعانی کا معتبر ہونا؟

مارچ ۲۰۰۷ء کے ماہنامہ 'اشراق' میں نبی ﷺ کے نور ہونے کے مسئلہ پر ایک مضمون میں مشہور حدیثِ جابرؓ کو زیر بحث لاتے ہوئے مصنف عبدالرزاق کو ہی سرے سے ناقابل اعتبار قرار دینے کی جسارت کی گئی ہے۔ جبکہ اس مُصنَّف کے مرتب امام عبدالرزاق صنعانی نہ صرف ایک مشہور محدث ہیں بلکہ صحیح بخاری ومسلم کے رجال میں سے بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مستند کتبِ حدیث کے علاوہ صحیحین میں بھی امام عبدالرزاق سے روایت کردہ سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ مزید برآں ۲۱ ہزار سے زائد احادیث وآثار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے امام عبدالرزاق کا ترتیب شدہ مجموعہ حدیث کتبِ حدیث میں بھی ایک نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔

ماضی کی طرح ملتِ اسلامیہ سے الگ تھلگ موقف اپنانے کی روش پر قائم رہتے ہوئے 'اشراق' نے جس طرح محض حدیثِ جابر کی بنا پر مصنف عبدالرزاق کو ہی مشکوک بنا دینے کے موقف کی اشاعت کی ہے، اس سے کہیں بہتر ہوتا کہ وہ اس حدیث کے بارے میں وہ موقف پیش کرتے جس میں حدیثِ جابر کی مصنف عبدالرزاق کی طرف نسبت کو ہی غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ گذشتہ برس مصنف عبدالرزاق کے جزء مفقود کے حوالے سے شروع ہونے والی بحث میں اکثر اہل علم کا موقف یہی رہا ہے جس کی تفصیلات محدث کے شمارۂ اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہونے والے ایک تفصیلی مضمون میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ ایک طرف 'اشراق' کا پوری مصنف عبدالرزاق کو مشکوک ٹھہرانے کو شائع کرنا اور دوسری طرف خود 'اشراق' میں ہی جابجا اس مصنف سے احادیث کا تذکرہ باہم متضاد اور دورخی پالیسی کا مظہر ہے۔ بہرحال اس مختصر پس منظر اور تبصرہ کے بعد مصنف عبدالرزاق کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے کی اشراقی کوشش کا ناقدانہ جائزہ نذرِ قارئین ہے جس میں امام موصوف کے روایتِ حدیث میں معتبر ہونے پر کافی وشافی بحث کی گئی ہے۔ ح م

امام عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری یمانی ابوبکر صنعانی ۱۲۶ ہجری، زمانۂ خیرالقرون میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی، فضیل بن عیاض، مالک بن انس، معمر بن راشد اور جعفر بن سلیمان

www.KitaboSunnat.com

بہت مشہور ہیں۔آپ کے شاگردوں میں احمد بن صالح مصری، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، زہیر بن حرب، علی بن مدینی، محمد بن یحییٰ ذہلی اور یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر ائمہ تھے۔

امام عبدالرزاق کی توثیق

جمہور محدثین نے امام عبدالرزاق کو ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث وحسن الحدیث قرار دیا ہے۔آپ کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن الجارود، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

درج ذیل محدثینِ کرام سے امام عبدالرزاق کی توثیق ثابت ہے:

❶ یحییٰ بن معین قال: ثقة لا بأس به [1]

❷ عجلی قال: ثقة يكنى أبابكر وكان يتشيع [2]

❸ امام بخاری نے عبدالرزاق سے صحیح بخاری میں ۱۰۰ سے زیادہ روایتیں لی ہیں۔

نوٹ: امام بخاری کا ان کے بارے میں یہ فرمانا: "ماحدّث من كتابه فهو أصح" [3]

''اُنھوں نے جو حدیثیں اپنی کتاب سے بیان کی ہیں، وہ زیادہ صحیح ہیں۔'' یہ کوئی جرح نہیں ہے۔

ایسے ہی امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل الکبیر میں لکھا ہوا ہے کہ

(امام بخاری نے فرمایا:) "وعبد الرزاق يهم في بعض ما يحدّث به" [4]

''اور عبدالرزاق کو بعض حدیثوں میں وہم ہوجاتا ہے۔''

تو یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

① جمہور محدثین کی توثیق کے بعد بعض روایتوں میں وہم ثابت ہو جانے سے راوی ضعیف نہیں ہوجاتا بلکہ وہ ثقہ وصدوق ہی رہتا ہے اور صرف وہم ثابت ہوجانے والی روایت کو ردّ کر دیا جاتا ہے۔

② العلل الکبیر کا بنیادی راوی ابو حامد التاجر ہے [5] جو مجہول الحال ہے۔العلل الکبیر

---

① الکامل لابن عدی ۵/۱۹۴۸، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۶/۵۳۹ قال: ثقة، وسوالات ابن الجنید: ۳۴۷

② تاریخ عجلی: ۱۰۰۰ ③ التاریخ الکبیر: ۶/۱۳۰ ④ ج۱ص۵۳۵، ۵۳۶

⑤ العلل الکبیر: ج۱ص۷۵

www.KitaboSunnat.com

کے محقق کو بھی اس کے حالات نہیں ملے۔[6] اس بنا پر امام بخاری کے اس فرمان کا مستند ہونا ہی قابل بحث امر ہے۔

❹ مسلم: امام مسلم نے اپنی 'صحیح' میں امام عبدالرزاق سے بکثرت روایتیں لی ہیں۔

❺ یعقوب بن شیبہ قال: ثقة ثبت[7]

❻ ہشام بن یوسف قال: كان عبدالرزاق أعلمنا وأحفظنا[8]

❼ احمد بن حنبل: آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے عبدالرزاق سے زیادہ بہتر حدیث بیان کرنے والا کوئی دیکھا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا: نہیں۔[9]

امام احمد نے ابن جریج سے روایت میں عبدالرزاق کو سب سے ثبت (ثقہ) قرار دیا۔[10]

❽ ابوزرعہ دمشقی قال: عبد الرزاق أحد من قد ثبت حديثه[11]

❾ ابن حبان ذكره في الثقات[12] وقال:" وكان ممّن جمع وصنف وحفظ وذاكر وكان ممن يخطئ إذا حدّث من حفظه علىٰ تشيع فيه"

''امام ابن حبان نے ان کو 'الثقات' میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: امام عبدالرزاق ان محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کی جمع وتصنیف کا کام کیا۔ احادیث کے حفظ ومذاکرہ کا اہتمام کی۔ وہ بعض دفعہ اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے غلطی کر جاتے تھے نیز ان میں تشیع بھی پایا جاتا ہے۔''

جمہور کی توثیق کے بعد یُخطيء وغیرہ جرحیں مردود ہوجاتی ہیں۔ خود حافظ ابن حبان نے اپنی مشہور کتاب التقاسيم والأنواع (صحیح ابن حبان) میں عبدالرزاق سے بکثرت روایتیں لی ہیں۔ جہاں تک تشیع کا الزام ہے تو اس کی حقیقت آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

❿ ابن عدی: ابن عدی نے طویل کلام کے آخر میں کہا:

"وأما في باب الصدق فأرجو أنه لا بأ س به إلا أنه قد سبق منه أحاديث في فضائل أهل البيت ومثالب آخرين مناكير"[13]

---

⑥ دیکھئے: مقدمة العلل الكبير: ج۱ص۵۸ ⑦ تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۱۷/۳۸ وسندہ صحیح

⑧ تاریخ دمشق ۱۱۷/۳۸ وسندہ صحیح ⑨ تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۲۶/۳۸ وسندہ صحیح

⑩ تاریخ ابوزرعہ دمشقی: ۱۱۵۹ وسندہ صحیح ⑪ تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۲۶/۳۸ وسندہ صحیح

⑫ کتاب الثقات ۴۱۲/۸ ⑬ الکامل: ۱۹۵۲/۵، دوسرا نسخہ: ۵۴۵/۶

www.KitaboSunnat.com

''اور جہاں تک انکی صداقت وسچائی کا معاملہ ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ان سے اہل بیت کے فضائل اور بعض دوسرے لوگوں کے مناقب کے متعلق منکر احادیث بھی ذکر ہوگئی ہیں۔''

یاد رہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد احادیثِ فضائل ومثالب کو مناکیر قرار دینا صحیح نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اگر مناکیر کو جرح پر ہی معمول کیا جائے تو ان کا تعلق بعد از اختلاط اور مدلّس روایتوں ہی سے ہے۔

⓫ ابن شاہین ذكره في كتاب الثقات [14]

⓬ ابن خزیمہ نے امام عبدالرزاق سے اپنی کتاب صحیح ابن خزیمہ میں بہت سی روایتیں لی ہیں۔

⓭ ابن الجارود نے اپنی کتاب المُنتقٰى (صحیح ابن الجارود) میں اِن سے روایتیں لی ہیں۔

⓮ امام ترمذی نے امام عبدالرزاق سے ایک روایت لے کر فرمایا:

"هٰذا حديث حسن صحيح" [15]

اس سے ثابت ہوا کہ وہ امام ترمذی کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

⓯ دارقطنی نے امام عبدالرزاق کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا: "إسناد صحيح" [16] ...... دوسری جگہ راویوں (جن میں عبدالرزاق بھی ہیں) کے بارے میں فرمایا: كلهم ثقات [17] ثابت ہوا کہ وہ امام دارقطنی کے نزدیک ثقہ ہیں۔

⓰ امام حاکم نے اپنی کتاب المستدرك میں عبدالرزاق کی بیان کردہ بہت سی احادیث کو صحیح کہا۔ [18] مزید کہتے ہیں کہ عبدالرزاق اہل یمن کے امام ہیں اور جس راوی کی وہ تعدیل کریں، حجت ہے۔ [19]

⓱ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب المختارۃ میں عبدالرزاق سے بہت سی حدیثیں لی ہیں۔ [20]

⓲ ابن عساکر قال: أحدالثقات المشهورين [21]

---

⑭ کتاب الثقات: ۱۰۹۲ ⑮ سنن ترمذی: ۳۱ ⑯ سنن دارقطنی: ۵۳/۱، ح ۱۳۷

⑰ سنن دارقطنی: ۱۱/۳۱۱، ح ۱۱۷۴ ⑱ مثلاً دیکھئے: المستدرك: ج۱ص۳۶، ح۱۰۴

⑲ المستدرك: ۱۱۶/۱، ح ۳۹۹

⑳ مثلاً دیکھئے: ج۳ص۲۱۸، ح۱۰۲۱ وج۲ص۲۹۶، ح ۶۷۷ وغیرہ ㉑ تاریخ دمشق: ۱۱۰/۳۸

www.KitaboSunnat.com

⑲ ذہبی قال: الثقة الشيعي [۴۲]

⑳ ابن حجر عسقلانی قال: ثقة حافظ مصنف شهير، عمي في آخر عمره فتغير وكان يتشيع [۴۳]

آخری عمر کے اختلاط اور تشیع کی بحث بھی آگے آرہی ہے۔ان شاء اللہ

㉑ بزار قال: وعبدالرزاق عندي ثقة [۴۴]

㉒ ابن جوزی قال: ثقة [۴۵]

㉓ ابن ملقن قال: وعبدالرزاق ثقة حجة [۴۶] معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ امام بیہقی کا کلام ہے جسے ابن ملقن نے الخلافیات سے نقل کیا اور کوئی تردید نہیں کی۔

㉔ بیہقی قال: وعبدالرزاق ثقة حجة [۴۷]

㉕ ابن حزم نے عبدالرزاق وغیرہ کے بارے میں کہا: ورواته كلهم ثقات مشاهير [۴۸]

㉖ ابو عوانہ اسفرائنی نے اپنی کتاب المستخرج على صحيح مسلم [۴۹] میں عبدالرزاق سے بہت سی روایتیں لی ہیں۔

㉗ ابونعیم اصبہانی نے المستخرج علیٰ مسلم میں عبدالرزاق سے بہت سی روایتیں لی ہیں۔

㉘ احمد بن ابوبکر بوصیری قال: ثقة [۵۰]

㉙ ابوزرعہ رازی قال: وحسن الحديث [۵۱]

عبدالرزاق پر امام ابوزرعہ کی جرح، عبدالرزاق کی حالتِ اختلاط (کے دور) پر محمول ہے۔

㉚ محی السنہ حسین بن مسعود بغوی نے عبدالرزاق کی بیان کردہ حدیث کو "هٰذا حديث صحيح" [۵۲] کہا۔

---

[۴۲] سیر اعلام النبلاء: ۵۶۴/۹ [۴۳] تقریب التہذیب: ۴۰۶۴

[۴۴] مسند البزار بحوالہ البدر المنیر لابن الملقن: ۳۸۴/۷

[۴۵] التحقیق فی أحادیث الخلاف: ج ۲/ص ۶۲، ح ۱۰۴۹ [۴۶] البدر المنیر: ۶۶۵/۹

[۴۷] مختصر الخلافیات للبیهقي: ۳۳۵/۴ [۴۸] المحلّٰی ۳۶۷/۷، مسئلہ: ۹۷۵

[۴۹] مسند ابی عوانہ/صحیح ابی عوانہ [۵۰] زوائد سنن ابن ماجہ: ۱۲۵۳

[۵۱] کتاب الضعفاء لأبي زرعة الرازي ص ۴۵۰ [۵۲] شرح السنۃ: ۸۱/۱، ح ۴۱

www.KitaboSunnat.com

امام عبدالرزاق پر جرح

ان موثقین کے مقابلے میں عبدالرزاق پر درج ذیل جرح ملتی ہے:

❶ اختلاط ❷ تدلیس ❸ تشیع ❹ روایت پر جرح

❶ اختلاط کا الزام تو ثابت ہے۔امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ہم عبدالرزاق کے پاس ۲۰۰ھ سے پہلے گئے تھے اور ان کی نظر صحیح تھی، جس نے اُن کے نابینا ہونے کے بعد سنا ہے تو اس کا سماع ضعیف ہے۔[۳۲]

امام نسائی نے کہا: "فيه نظر لمن كتب عنه بآخرةٍ"[۳۳]

''جس نے اُن سے آخری دور میں لکھا ہے اُس میں 'نظر' ہے۔''

اختلاط کے بارے میں یہ اُصول ہے کہ جس ثقہ وصدوق راوی کی روایتیں اختلاط سے پہلے کی ہوں تو وہ صحیح ہوتی ہیں۔

درج ذیل راویوں نے عبدالرزاق کے اختلاط سے پہلے سنا ہے:

احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین اور وکیع بن جراح وغیرہ۔[۳۴] اسی طرح اسحٰق بن منصور، محمود بن غیلان، اسحٰق بن ابراہیم سعدی، عبداللہ بن محمد مسندی، محمد بن یحییٰ بن ابوعمر عدنی، یحییٰ بن جعفر بیکندی، یحییٰ بن موسیٰ بلخی، احمد بن یوسف سلمی، حجاج بن یوسف الشاعر، حسن بن علی خلال، سلمہ بن شبیب، عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم، عبد بن حمید، عمرو بن محمد ناقد، محمد بن رافع اور محمد بن مہران حمال وغیرہم کا عبدالرزاق سے سماع اختلاط سے پہلے ہے۔لہٰذا عبدالرزاق کی مطلق روایات پر اختلاط کی جرح کوئی جرح ہی نہیں ہے۔والحمدللہ

❷ تدلیس کا الزام ثابت ہے۔[۳۵]

تدلیس کے بارے میں اُصول یہ ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کی عَن والی روایت (معتبر متابعت یا معتبر شاھد کے بغیر) ضعیف ہوتی ہے۔دیکھئے، کتبِ اُصولِ حدیث اور ماہنامہ

---

[۳۲] تاریخ ابوزرعہ دمشقی: ۱۱۶۰، وسندہ صحیح [۳۳] کتاب الضعفاء: ۳۷۹

[۳۴] الکواکب النیرات: ص ۲۷۶

[۳۵] دیکھئے: الضعفاء الکبیر للعقیلي ۱۱۰/۳، ۱۱۱ وسندہ صحیح، الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین: ص ۴۵

www.KitaboSunnat.com

الحدیث حضرو[۳۷] لہٰذا ثقہ راوی کی سماعت کی صراحت والی روایت پر تدلیس کی جرح کوئی جرح ہی نہیں ہے۔

❸ تشیع کے سلسلے میں عرض ہے کہ عبدالرزاق کا اثنا عشری جعفری شیعہ یا رافضی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ ان کا تشیع بعض اہل سنت کا تشیع ہے جو سیدنا علی کو سیدنا عثمان سے افضل سمجھتے تھے اور تمام صحابہ سے محبت کرتے تھے۔

◉ اہل سنت کے امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ ''کیا عبدالرزاق تشیع میں اِفراط کرتے تھے؟'' اُنھوں نے فرمایا: میں نے اس سلسلے میں اُن (عبدالرزاق) سے کوئی بات نہیں سُنی ہے۔الخ[۳۸]

◉ امام عبدالرزاق بن ہمام فرماتے ہیں: ''میں شیخین (سیدنا ابوبکر وعمر) کی فضیلت کا قائل ہوں کیونکہ (سیدنا) علی نے اُنھیں اپنے آپ پر فضیلت دی ہے۔الخ''[۳۹]

◉ امام عبدالرزاق نے فرمایا:

"والله ما انشرح صدري قط أن أفضّل عليًاعلىٰ أبي بكر وعمر، رحم الله أبابكر ورحم الله عمر، ورحم الله عثمان ورحم الله عليًا ومن لم يحبهم فما هو بمؤمن فإن أوثق عملي حبي إياهم رضوان الله عليهم ورحمته أجمعين."

''اللہ کی قسم! میرے دل میں کبھی علی کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دینے پر اطمینان نہیں ہوا، اللہ ابوبکر پر رحم کرے، اللہ عمر پر رحم کرے، اللہ عثمان پر رحم کرے، اللہ علی پر رحم کرے اور جو اِن سب سے محبت نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے۔ میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان سب پر اللہ کی رحمت ہو۔''[۴۰]

اس سنہری قول سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق شیعہ نہیں تھے بلکہ اُنھوں نے تشیع بسیر

---

[۳۷] شمارہ ۳۳، ص ۵۴، ۵۵ [۳۸] الضعفاء للعقيلي: ۱۱۰/۳، وسندہ صحیح

[۳۹] الکامل لابن عدی ۱۹۴۹/۵، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۵۴۰/۶

[۴۰] تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۳۰/۳۸، وسندہ صحیح، کتاب العلل ومعرفة الرجال لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۲۵۶/۱ ح ۱۴۶۵، وسندہ صحیح

www.KitaboSunnat.com

سے بھی رجوع کرلیا تھا، کیونکہ اس قول میں وہ چاروں خلفاے راشدین کی ترتیب اور اُن سے محبت کے قائل ہیں۔ جو شخص اس سنہری قول کے باوجود عبدالرزاق کو شیعہ شیعہ کہنے کی رٹ لگاتا ہے، اس کا طرزِ فکر اور دعویٰ قابل اصلاح ہے۔

نوٹ ①: تشیع یسیر سے بھی عبدالرزاق کا رجوع ثابت ہے۔ ابومسلم بغدادی الحافظ (ابراہم بن عبداللہ الکجی بصری) نے امام احمد سے نقل کیا کہ ''عبدالرزاق نے تشیع سے رجوع کرلیا تھا۔''[41]

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا معاویہ سے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا: "وبه نأخذ"[42] ''اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔''

اُنھوں نے ایک حدیث سیدنا ابو ہریرہ سے روایت کی اور کہا: "وبه نأخذ" اور ہم اسی کو لیتے ہیں، یعنی اسی کے قائل ہیں۔[43]

سیدنا معاویہ اور سیدنا ابوہریرہ کی بیان کردہ احادیث پر عمل کرنے والا شیعہ ساری دنیا میں کہیں نہیں ملے گا، چاہے چراغ کے بدلے آفتاب لے کر ہی اسے تلاش کیا جائے۔

نوٹ ②: جن روایات میں عبدالرزاق کا شدید تشیع مروی ہے، اُن میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے، مثلاً:

◉ ایک روایت میں آیا ہے کہ عبدالرزاق سیدنا عثمان بن عفان کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔[44] لیکن اس کا راوی ابوالفرج محمد بن جعفر صاحب المصلی ضعیف ہے۔[45] اور ابوزکریا غلام احمد بن ابی خثیمہ مجہول الحال ہے۔

◉ ایک اور روایت سیدنا عمر کے بارے میں "انظروا إلى الأنوك" آیا ہے۔[46]

---

[41] دیکھئے: تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹/۳۸ وسندہ حسن

[42] مصنف عبدالرزاق: ج۳ص۲۴۹، ح۵۵۳۴، دوسرا نسخہ: ۵۵۵۱

[43] مصنف عبدالرزاق: ج۳ص۴۷۹، ح۶۳۹۳ [۶۴۲۰]

[44] دیکھئے: تاریخ بغداد از خطیب: ج۱۴ص۴۲۷، ت۷۷۸۸ وتاریخ دمشق لابن عساکر: ج۳۸ص۱۲۹

[45] دیکھئے: تاریخ بغداد: ج۲ص۱۵۵، ۱۵۶ [46] الضعفاء للعقيلي: ۱۱۰/۳

www.KitaboSunnat.com

اس میں علی بن عبداللہ بن مبارک صنعانی نامعلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حکایت کی سند میں ارسال یعنی انقطاع ہے۔[47] اور منقطع روایت مردود ہوتی ہے۔

◉ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ عبدالرزاق نے سیدنا معاویہ کے بارے میں کہا: ''ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے خراب نہ کرو۔''[48] لیکن اس کی سند میں احمد بن زکیر حضرمی اور محمد بن اسحٰق بن یزید بصری دونوں نامعلوم ہیں۔

◉ ایک روایت میں آیا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ نے عبدالرزاق کو ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ میں سے قرار دیا۔[49] اس میں احمد بن محمود الہروی نامعلوم ہے۔ مختصر یہ کہ یہ سب روایات مردود اور بشرطِ صحت منسوخ ہیں۔

❹ امام عبدالرزاق کی روایت پر جرح دو طرح سے ہے:

اوّل: ابوحاتم رازی نے عبدالرزاق اور معمر دونوں کو کثیر الخطأ کہا۔[50]

یہ جرح جمہور کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یکتب حدیثه و لا یحتج به[51] اس جرح کا سقوط مخالفتِ جمہور سے ظاہر ہے۔

دوم: ایک روایت میں آیا ہے کہ عباس بن عبدالعظیم نے عبدالرزاق کو 'کذاب' کہا۔[52] لیکن اس روایت کا راوی محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتِ خود ضعیف ہے۔[53] لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ زید بن مبارک نے کہا: "عبدالرزاق کذاب یسرق"[54] اس روایت میں ابن عساکر کا استاد ابوعبداللہ بلخی غیر متعین ہے۔ اگر یہ روایت ثابت بھی ہوجائے تو دو وجہ سے مردود ہے:

---

[47] دیکھئے: میزان الاعتدال: ۶۱۱/۲
[48] الضعفاء للعقیلي: ۱۰۹/۳
[49] الضعفاء للعقیلي: ۱۰۹/۳
[50] علل الحدیث: ۱۴۴/۲، ح ۱۹۳۱
[51] الجرح والتعدیل: ۳۹/۶
[52] الضعفاء للعقیلي: ۱۰۹/۳، الکامل لابن عدی: ۱۹۴۸/۵ [۵۳۸/۶]
[53] دیکھئے: میزان الاعتدال: ۴۵۹/۳
[54] تاریخ دمشق: ۱۳۰/۳۸

www.KitaboSunnat.com

① اس روایت میں عبدالرزاق سے مراد عبدالرزاق بن ہمام صنعانی نہیں بلکہ کوئی دوسرا عبدالرزاق ہے، مثلاً عبدالرزاق بن عمر ثقفی دمشقی وغیرہ۔

② یہ جرح امام یحییٰ بن معین اور امام احمد وغیرہما کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

خلاصة التحقيق

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی یمنی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق یعنی صحیح الحدیث وحسن الحدیث راوی ہیں بشرطیکہ وہ سماع کی تصریح کریں اور روایت اختلاط سے پہلے کی ہو۔

....

حال ہی میں 'اشراق' کے شمارہ مارچ ۲۰۰۷ء میں امام عبدالرزاق پر حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی جرح یوں شائع ہوئی ہے کہ

''اس کے علاوہ خود عبدالرزاق کی ذات مشکوک ہے۔❶ محدثین کا بیش تر طبقہ اُنھیں رافضی قرار دیتا ہے۔❷ بلکہ بعض تو اُنھیں کذاب بھی کہتے ہیں۔❸ اور جو لوگ انکی روایات قبول کرتے ہیں، وہ بھی چند شرائط کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔❹

① چونکہ یہ شیعہ ہیں، لہٰذا فضائل ومناقب اور صحابہ کی مذمت میں جو روایات ہیں، وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔❺

② ۲۱۰ھ میں ان کا دماغ جواب دے گیا تھا اور جو شخص بھی چاہتا، وہ ان سے حدیث کے نام سے جو چاہتا کہلوا لیتا۔ لہٰذا ۲۱۰ھ کے بعد سے ان کی تمام روایات ناقابل قبول ہیں۔❻

③ ان سے ان کا بھانجا جو روایات نقل کرتا ہے، وہ سب منکر ہوتی ہیں۔❼

④ یہ معمر سے روایات غلط بیان کرنے میں مشہور ہے اور اسکی عام روایات معمر سے ہوتی ہیں۔❽

⑤ ان عیوب سے پاک ہونے کے بعد اس روایت کے راوی تمام ثقہ ہوں اور سند متصل ہو تو پھر وہ روایت قابل قبول ہوگی، ورنہ نہیں۔ یہ تمام شرائط ان حضرات کے نزدیک ہیں جو اس کی روایت قبول کرتے ہیں۔ ورنہ محدثین کا ایک گروہ تو اس کے رافضی ہونے کے باعث اس کی روایت ہی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔❾ بلکہ زید بن المبارک تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ واقدی سے زیادہ جھوٹا ہے۔❿ تفصیل کے لئے کتبِ رجال ملاحظہ کیجئے۔''⓫ (۵۵)

(۵۵) ماہنامہ 'اشراق': جلد۱۹/شمارہ۳، ص۲۸، 'مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت' از کاندھلوی: ج۱/ص ۶۹

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس عبارت پر ہمارے لگائے ہوئے نمبروں کے تحت جواب درج ذیل ہے:

❶ ہمارے اس مضمون میں ثابت کردیا گیا ہے کہ جمہور محدثینِ کرام کے نزدیک عبدالرزاق بن ہمام ثقہ وصدوق ہیں اور ان پر تدلیس واختلاط کے علاوہ جرح مردود ہے۔ لہٰذا عبدالرزاق کی ذات مشکوک نہیں بلکہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی بذاتِ خود مشکوک ہیں، مثلاً:

① فاتحہ خلف الامام کے خلاف کتاب میں کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں:

''۱۲۔ امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من أدرك الركوع مع الإمام فقد أدرك الركعة جس نے امام کے ساتھ رکوع پایا، اس نے رکعت پالی۔[۵۶]

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب، ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہ تو امام بیہقی کی السنن الکبریٰ کے محولہ صفحے یا کسی دوسرے صفحے پر موجود ہے اور نہ حدیث کی کسی دوسری کتاب میں یہ روایت موجود ہے لہٰذا کاندھلوی صاحب نے اس عبارت میں رسول اللہ ﷺ، ابوہریرہ اور امام بیہقی تینوں پر جھوٹ بولا ہے۔

② حافظ ذہبی نے 'میزان الاعتدال' میں امام محمد بن عبداللہ بن نمیر سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے محمد بن اسحٰق بن یسار کے بارے میں کہا:

"رُمي بالقدر وكان أَبْعَدَ الناس منه"[۵۷]

اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں:

''محمد بن عبداللہ بن نمیر کا بیان ہے کہ اس پر قدری ہونے کا الزام ہے۔ اسی لئے لوگ اس سے دور بھاگتے تھے۔''[۵۸]

یہ ترجمہ غلط ہے جبکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اس پر قدری ہونے کا الزام ہے اور وہ اس (الزام) سے لوگوں میں سب سے زیادہ دور تھے۔''

محمد بن عبداللہ بن نمیر نے ابن اسحٰق کے بارے میں تو یہ فرمایا: ''اگر وہ مشہور لوگوں سے

---

[۵۶] سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۰، فاتحہ خلف الامام ص ۱۰، ۱۱ [۵۷] ج ۳ ص ۴۶۹

[۵۸] مذہبی داستانیں: حصہ اوّل، ص ۹۳

www.KitaboSunnat.com

روایت کریں جن سے انھوں نے سنا ہے تو حسن الحدیث صدوق ہیں۔الخ[59]

رہا مجہولین سے احادیثِ باطلہ بیان کرنا تو ان میں جرح مجہولین پر ہے۔[60]

معلوم ہوا کہ درج بالا عبارت میں کاندھلوی نے امام ابن نمیر پر جھوٹ بولا ہے اور عربیت میں اپنی جہالت کا ثبوت بھی پیش کردیا ہے۔خلاصہ یہ کہ کاندھلوی صاحب کی اپنی ذات مشکوک ہے اور پرانے ضعیف ومتروک راویوں کی طرح وہ بذاتِ خود ضعیف ومتروک شخصیت ہیں۔

❷ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک محدث نے بھی عبدالرزاق کو رافضی نہیں کہا، رہا مسئلہ معمولی تشیع کا تو یہ جمہور کے ہاں موثق راوی کے بارے میں چنداں مضر نہیں ہے۔خود کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں: ''گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں''[61]

دوسرے یہ کہ تشیع سے عبدالرزاق کا رجوع بھی ثابت ہے، جیسا کہ اسی مضمون میں باحوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔

❸ عبدالرزاق پر کذاب والی جرح کسی محدث سے ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہوجائے تو امام احمد، امام ابن معین اور امام بخاری وغیرہم کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

❹ یہ شرائط کاندھلوی صاحب کی خود ساختہ ہیں۔

❺ جو راوی ثقہ وصدوق ہو تو اس پر شیعہ وغیرہ کی جرح کرکے اس کی روایات کو ناقابلِ قبول سمجھنا غلط ہے۔شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ معلّمی یمانی نے ثابت کیا ہے کہ ''سچا راوی جس پر بدعتی ہونے کا الزام ہے، کی روایت قابلِ قبول ہوتی ہے، چاہے وہ اس کی بدعت کی تقویت میں ہو یا نہ ہو بشرطیکہ بدعتِ مکفرہ نہ ہو۔[62]

مشہور دیوبندی عالم ومصنف سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''اور اُصولِ حدیث کی رُو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی معتزلی یا مرجی وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا۔''[63]

---

[59] الکامل لابن عدی: ج۶ص۲۱۲۰ وتاریخ بغداد از خطیب بغدادی: ج۱ص۲۲۷ وسندہ صحیح

[60] دیکھئے عیون الاثر لابن سید الناس ج۱ص۱۴ [61] مذہبی داستانیں: ج۱ص۲۶۳

[62] دیکھئے التنکیل بما في تأنیب الکوثري من الأباطیل ج۱ص۴۲تا۵۲

[63] احسن الکلام: ج۱،ص۳۰ طبع دوم

www.KitaboSunnat.com

❻ یہ مسلّم ہے کہ اختلاط سے پہلے عبدالرزاق کی ساری (صحیح) روایات صحیح ہیں، جیسا کہ اس مضمون میں اختلاط کی بحث کے تحت گزر چکا ہے۔ رہی اختلاط کے بعد والی روایتیں تو بے شک ناقابل قبول ہیں۔

❼ عبدالرزاق کا بھانجا احمد بن داود مشہور کذاب تھا۔ لہٰذا اس کا عبدالرزاق سے منکر روایتیں بیان کرنا خود اس کی اپنے کذب کی وجہ سے تھا، عبدالرزاق کی وجہ سے نہیں، لہٰذا اس جرح سے عبدالرزاق بری ہیں۔

❽ بعض محدثین نے عبدالرزاق کی معمر سے روایتوں پر جرح کی ہے، مثلاً دارقطنی نے فرمایا: "ثقة يخطئ على معمر في أحاديث لم تكن في الكتاب"[۶۴]

ان بعض کے مقابلے میں جمہور محدثین نے عبدالرزاق کو معمر سے روایت میں قوی اور صحیح الحدیث قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جب معمر کے شاگردوں میں معمر کی حدیث کے بارے میں اختلاف ہو تو عبدالرزاق کی حدیث (ہی راجح) حدیث ہوگی۔[۶۵]

ابن معین نے کہا کہ معمر کی حدیث میں عبدالرزاق ہشام بن یوسف سے زیادہ ثقہ تھے۔[۶۶]

بخاری و مسلم نے صحیحین میں عبدالرزاق کی معمر سے روایات بکثرت لکھی ہیں اور دوسرے محدثین، مثلاً ترمذی وغیرہ نے عبدالرزاق کی معمر سے روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔

❾ رافضیت کا الزام ثابت نہیں ہے۔

❿ زید بن مبارک کی طرف منسوب یہ قول ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

⓫ ہم نے بحمداللہ کتبِ رجال کو ملاحظہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امام عبدالرزاق جمہور محدثینِ کرام و کبار علماے اہل سنت کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث وحسن الحدیث تھے۔ آپ ۲۱۱ھ میں فوت ہوئے۔ رحمه الله رحمة واسعة

---

[۶۴] سوالات ابن بکیر: ۲۰ رص ۳۵ [۶۵] الثقات لابن شاہین: ۱۰۹۲ وسندہ صحیح

[۶۶] تاریخ ابن معین روایة الدوري: ۵۳۸

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی

مذہبی پیشوائیت؛ مذہبِ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ

پریسٹ ہڈ(Priesthood) یعنی 'مذہبی پیشوائیت' اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے اسلام کے علاوہ دیگر ادیان، مثلاً نصرانیت، ہندومت اور یہودیت کا تصور ہے۔لیکن ہمارے 'مفکرِ قرآن' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب نے مذاہبِ باطلہ سے اس کا تخم لے کر، اسے سرزمین اسلام میں کاشت کیا، اور پھر اس کا ترجمہ 'مُـلّا اِزم' کرتے ہوئے علماے امت، محدثینِ کرام اور فقہاے عظام کو مطعون کرنے کا ذریعہ بنایا۔خود طلوعِ اسلام میں اس بات کا بارہا اعتراف کیا گیا ہے کہ 'مذہبی پیشوائیت' نام کی کوئی چیز اسلام میں موجود نہیں ہے:

''اس مذہب (اسلام) میں نہ رسومات ہیں، نہ بت پرستی، نہ پیشہ ور مقتدایانِ مذہب ہیں، اور نہ کوئی ایسا دینی راہنما جو گناہ اور معصیت سے مبرا ہو۔ یہاں کوئی مجلس بھی مسیحیت کی طرح، چرچ کونسل کی مانند نہیں جو اختلافات ونزاعات کا فیصلہ کرے۔''①

'مفکرِ قرآن' صاحب کو یہ بات بھی مسلّم تھی کہ

''جس نظام کی تشکیل محمد رسول اللہ والذین معہ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی، اس میں مذہبی پیشواؤں کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔''②

پریسٹ ہڈ یا تھیا کریسی (Theocracy) اصلاً عیسائیت کا تصور ہے، جس نے اسے ایک نظام اور ادارے کے طور پر اختیار کر رکھا تھا، بقولِ پرویز:

''تھیا کریسی کا تصور تو پرانا ہے، لیکن اسے بطور نظامِ حکومت، عیسائی کلیسا (چرچ) نے یورپ میں رائج کیا ہے۔''③

ایک اور مقام پر تھیا کریسی کو عیسائیت کا تصور قرار دیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ

① طلوع اسلام، اپریل، مئی ۱۹۵۸ء، ص ۶۰ ② طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۷

③ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۶۱

www.KitaboSunnat.com

''ازمنہ متوسطہ میں ایک اندازِ حکومت ظہور میں آیا تھا جسے تھیاکریسی کہتے ہیں۔ اس طرزِ حکومت میں اقتدارِ اعلیٰ مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہتا تھا جو خدا کے نام پر لوگوں سے اپنی اطاعت کراتے تھے۔ جب یورپ ان خدائی فوجداروں سے تنگ آ گیا تو وہاں (اس طرزِ حکومت کے خلاف) ایک جدید اندازِ حکومت وضع ہوا جس میں مذہبی پیشواؤں کا عمل دخل نہ تھا۔ اس اندازِ حکومت کو سیکولر کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا۔''④

عیسائیت سے قبل یہودیت میں بھی یہ تصور موجود تھا۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''سامی مذاہب میں مُلّا ازم یہودیت ہی کی تخلیق ہے۔''⑤

طلوعِ اسلام، جون ۱۹۶۶ء کے صفحہ نمبر ۱۰ پر واقع اقتباس میں اس تصور کو ہندومت کا تصور بھی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کو 'ملا ازم'، 'مذہبی پیشوائیت'، 'تھیاکریسی' یا 'پریسٹ ہڈ' کا یہ کھوٹا سکہ اَدیانِ باطلہ سے لے کر بازارِ اسلام میں کیوں لانا پڑا؟ اس سوال پر آپ جتنا بھی غور فرمائیں گے، اسی قدر آپ پر یہ حقیقت نمایاں ہوتی چلی جائے گی کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کے تصورِ اسلام اور علماے اُمت کے تصورِ اسلام میں مشرق و مغرب کا سا بعد پایا جاتا ہے۔ علماے کرام کا تصورِ اسلام، قرآن وسنت پر مبنی ہے اور محمد رسول اللہ والذین معہ کے عہدِ مبارک سے لے کر اب تک سلف وخلف اسی امر پر متفق ومتحد رہے ہیں کہ اسلام کا سرچشمہ قرآن وحدیث (کتاب وسنت) ہیں لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب کا تصورِ اسلام پاکستان بن جانے کے بعد صرف اور صرف قرآنِ کریم پر ہی اساس پذیر ہے۔ پھر اس پر یہ ستم ظریفی بھی مستزاد ہے کہ قرآن کا نام لے کر وہ جس 'انقلابی اسلام' کو پیش کرتے ہیں، اس کے جملہ اجزا یا تو مغرب کی بے حیا معاشرت میں پائے جاتے ہیں یا پھر اشتراکیت کے معاشی نظام میں۔ مثال کے طور پر وہ جس قرآنی نظام کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس کے نمایاں خدوخال مندرجہ ذیل ہیں:

① حجاب ونقاب کی مخالفت کرنا

② تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا

---

④ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۷۳ ⑤ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۵۳ء، ص ۶۳

www.KitaboSunnat.com

③ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ پر عورت کے عمل کرنے کو، حبسِ بے جا قرار دینا

④ خواتینِ خانہ کو گھر سے نکال کر مردانہ کارگاہوں میں لاکھڑا کرنا

⑤ خانگی زندگی کے فطری وظائف سے منحرف کرکے، مستورات کو مردانہ مناصب پر براجمان کرنا۔

⑥ مخلوط سوسائٹی کی حمایت کرنا

⑦ مخلوط تعلیم کو جائز قرار دینا

⑧ مرد و زَن میں مغربی طرز کی مطلق مساوات کو قائم کرنا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اَفضلیتِ اُناث کا نظریہ پیش کرنا

⑨ عقائدِ اسلام میں کمی وبیشی کرتے ہوئے صرف 'پانچ' کی تعداد ہی کو پیش نظر رکھنا

⑩ اشتراکیت کے اقتصادی نظام کو قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کرنا

تلك عشرة كاملة

سنتِ رسولؐ کی سندیت اور حدیثِ نبویؐ کی حجیت سے انکار کرتے ہوئے 'مفکرِ قرآن' صاحب نے بڑی جاں سوز مشقت، جگر پاش محنت، جاں گسل کاوش کے ساتھ قرآنِ کریم سے وہ 'انقلابی اسلام' ڈھونڈ ڈالا جس کے مندرجہ بالا اجزا سرمایہ دارانہ تہذیب اور اشتراکی تمدن میں ــــ بغیر کسی قرآن کے ــــ پہلے سے موجود ہیں۔ 'مفکرِ قرآن' صاحب کے نزدیک یہی 'قرآنی دین' اور 'انقلابی اسلام' ہے۔ رہا قرآن وسنت پر مبنی وہ اسلام جو بعثتِ نبویؐ سے لے کر آج تک اُمتِ مسلمہ کے سلف و خلف پیش کرتے رہے ہیں تو وہ ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب کے نزدیک ایک 'پامال شدہ، دقیانوسی اور عجمی اسلام' ہے۔ جو نہ تو 'عقل وفکر کے تقاضوں' کو پورا کرتا ہے اور نہ ہی اس میں 'ندرتِ نگاہ اور جدتِ فکر' کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن وسنت کی اساس پر اسلام کو پیش کرنے والا عالم دین خواہ قدیم وجدید علوم پر کتنی ہی دسترس رکھتا ہو، پرویز صاحب کے نزدیک وہ پرانا اور دقیانوسی اسلام ہی پیش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے متعلق یوں گوہرافشانی فرماتے ہیں:

''مودودی صاحب کے پاس کوئی نئی چیز پیش کرنے کو نہیں ہوتی۔ اُنہیں نہ جدتِ فکر نصیب

www.KitaboSunnat.com

ہوئی ہے اور نہ ندرتِ نگاہ۔ ان کے پاس وہی فرسودہ مال ہوتا ہے جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آرہا ہے۔''[۶]

اگر مولانا مودودیؒ اشتراکیت سے اقتصادی نظام کی بھیک مانگ کر اور مغرب کے حیا سوز تمدن سے معاشرتی طور طریقوں کی خیرات لے کر قرآنی کشکول میں پیش کر ڈالتے تو یقیناً اُن کا یہ عمل اس بات کا ثبوت قرار پاتا کہ اُنہیں 'جدتِ فکر' بھی نصیب ہوئی ہے اور 'ندرتِ نگاہ' بھی۔ چونکہ دورِ حاضر میں گداگر کا کردار ادا کرتے ہوئے غیروں کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں مبتلا ہوکر خود 'مفکرِ قرآن' نے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ ان کی 'جدتِ فکر اور ندرتِ نگاہ' کی بھی دلیل ہے، اس لئے وہ 'مُـلّا کے اسلام پر' ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ

''ہمارا قدامت پرست طبقہ جو کچھ مذہب کے نام پر پیش کرتا ہے، اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ علم و بصیرت کی کسوٹی پر پورا اُترے اور عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرسکے۔''[۷]

اب ظاہر ہے کہ جس 'مفکرِ قرآن' کی ــــ جان بھی گروِ غیر، بدن بھی گروِ غیر ہو ــــ دل ودماغ بھی اغیار کی فکری غلامی میں اس حد تک مبتلا ہو کہ وہ اگر دیکھتا بھی ہے تو اَغیار کی آنکھوں سے، سنتا بھی ہے تو ان کے کانوں سے، سوچتا بھی ہے تو ان کے دماغ سے۔ وہ غالب اقوام کے ہر نظریہ، مسلک یا نظام کو عرشِ مُعلّٰی سے نازل شدہ سمجھتا ہے اور اس کی تقلید کو اپنے لئے موجب ہزار فخر و مباہات قرار دیتا ہے اور تہذیبِ غالب کے علمبردار جب اپنی چچوڑی ہوئی ہڈیاں اس کی طرف پھینکتے ہیں تو وہ اُنہیں لپک کر اُٹھاتا اور خوانِ نعمت سمجھتا ہے۔ پھر جب ان کی اندھی تقلید میں، ان ہی کی معاشرتی عادات و اطوار کو اشتراکیت کے اقتصادی نظام کے ساتھ پیوند کاری کرتے ہوئے پیش کرتا ہے تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتا کہ اس کا پیش کردہ 'قرآنی اسلام' علم و بصیرت کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے اور 'عقل وفکر کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا' ہے اور اس پر مطمئن اور آسودہ خاطر ہوجاتا ہے کہ اس کی اس حرکت سے ماشاء اللہ نئی نسل کو 'قرآن کی تعبیر نو' کا حق بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

---

۶ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۴ء، ص ۵۲

۷ طلوع اسلام، اگست ۱۹۸۰ء، ص ۳

www.KitaboSunnat.com

عجمی اور 'قرآنی' اسلام

الغرض علماے کرام تو یقیناً وہی صدیوں پرانا دین اسلام پیش کررہے ہیں جو محمد رسول اللہ والذین معہ کے ہاتھوں سے اُمت کو ملا ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان بننے کے بعد خود 'مفکر قرآن' ہی کی سمتِ قبلہ (بظاہر) تبدیل ہوچکی ہے اور ان کا زاویۂ نظر اور اس کے ساتھ ہی نگاہوں کا نقطۂ ماسکہ بدل چکا ہے، اس لئے علماے کرام کا اسلام، اب اُنہیں 'عجمی اسلام' دکھائی دیتا ہے اور مغربی معاشرت کے خدوخال کے ساتھ اشتراکیت کی پیوندکاری کے نتیجہ میں جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں، وہ اُنہیں 'قرآنی اسلام' نظر آتا ہے۔ پھر اس 'عجمی اسلام' کے متعلق کبھی ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ دورِ نزولِ قرآن سے پہلے کا وہ مذہب ہے جو اہل کتاب اختیار کئے ہوئے تھے:

> ''آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے، وہ زمانۂ قبل از قرآن مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔''⑧

اور کبھی ہمیں یہ باور کروایا جاتا ہے کہ 'عجمی اسلام' دورِ نزولِ قرآن کے بہت بعد، ایرانیوں کی شکست کے بعد ان کی انتقامی سازش کا نتیجہ ہے:

> ''اُنہوں (ایرانیوں) نے اُن عربوں سے شکست کھائی تھی، جنہیں وہ ابھی کل تک وحشی اور جنگلی شمار کیا کرتے تھے اور شکست بھی ایسی جس سے ان کی اس قدر وسیع سلطنت اور ایسی قدیم تہذیب کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ ہونے کو تو مسلمان (یعنی اسلامی سلطنت کے فرمانبردار) ہوگئے، لیکن اس شکست اور محکومی کا احساس ان کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، اور اپنے حریف عربوں کی شان و شوکت کے منظر سے ان کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔ اُنہوں نے یہ انتقام دو طرح سے لیا: ایک تو بساطِ سیاست پر، جہاں اُنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے اُمتِ واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور دوسرے مذہب کے میدان میں۔''⑨

دو اسلام

بہرحال پاکستان جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا، اس میں جب نفاذِ اسلام کی

---

⑧ طلوع اسلام، مئی جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۵۹ ⑨ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۵۹ء، ص ۲۹

www.KitaboSunnat.com

نوبت آئی تو 'دو اسلام' آمنے سامنے آ گئے۔ ایک وہ جو قرآن و سنت پر مبنی تھا اور جو چودہ صدیوں سے سلف تا خلف تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا۔ اس اسلام کو 'مفکرِ قرآن' صاحب نے اس 'عجمی سازش' کا نتیجہ قرار دیا جو (بزعم پرویز صاحب) صدیوں پہلے اس وقت واقع ہوئی تھی، جب نہ ہم ہی موجود تھے اور نہ ہی پرویز صاحب۔ تاکہ صدیوں پہلے ہونے والی اس مزعومہ 'عجمی سازش' کے خلاف ان کے بہ تکرار و اِعادہ برپا کئے ہوئے شوروشغب اور تحریری وتقریری پراپیگنڈے کے نتیجہ میں وہ 'عربی سازش' چھپ جائے جو بٹالہ کے خالص 'عرب علاقے' میں پیدا ہونے والے اس 'مفکرِ قرآن' نے کی ہے، جس نے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے قرآن کے نام پر مغربی معاشرت اور اشتراکی معیشت کا ملغوبہ تیار کرڈالا۔ یہ وہ دوسرا اسلام تھا جو 'عجمی اسلام' کے مقابلہ میں 'خالص عربی اسلام' تھا۔ آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ علماے کرام آنکھوں سے دیکھتے، اس مکھی کو نگل لیتے اور قرآن کے نام پر کی جانے والی اس بدترین تحریف کو ٹھنڈے پیٹوں گوارا کرلیتے۔ علماے کرام اور پرویز صاحب کے درمیان کشمکش کا واقع ہونا ناگزیر تھا۔ چنانچہ یہ کشمکش واقع ہوئی اور 'مفکرِ قرآن' نے اس میں مخالفتِ علما کو 'طلوع اسلام کی حقیقت آفریں آواز' کی مخالفت قرار دیا:

> ''طلوعِ اسلام کی یہی وہ حقیقت آفریں آواز تھی جس کے جرم میں اسے مذہبی اِجارہ داروں کے عتاب کا شکار بننا پڑا۔'' (۱۰)

اور ایک دوسرے مقام پر یہ فرماتے ہیں:

> ''...اور اس کے ساتھ دیکھئے کہ اس (طلوعِ اسلام) کی زندگی میں کوئی وقت ایسا آیا ہے جب عصا بردارانِ شریعت، اس کے پیچھے لٹھ لئے نہ پھر رہے ہوں؟ ...کوئی محراب ومنبر بھی ایسا ہے (الا ماشاء اللہ) جو اس کے خلاف دشنام طرازیوں کی نشرگاہ نہ بن رہا ہو اور عباؤں اور قباؤں پر مشتمل کوئی مجمع بھی ایسا ہے جہاں اس کے خلاف محاذ بنانے کی تدابیر، خود ان کے لئے غارت گرِ سکون و اطمینان اور ان کے مقلدین ومتبعین کے لئے وجہ حصولِ جنت نہ قرار پا رہی ہو۔'' (۱۱)

(۱۰) طلوع اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۲۷
(۱۱) مقام حدیث: ج ۲ / ص ۳۸۴

www.KitaboSunnat.com

صرف علما ہی نعل در آتش کیوں؟

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس 'خالص قرآنی دعوت' سے صرف 'عصا برداران شریعت' ہی کیوں نعل در آتش ہیں؟ محض واعظانِ محراب و منبر ہی کیوں سیخ پا ہیں؟ فقط 'عباؤں اور قباؤں پر مشتمل مجمع' ہی کیوں لٹھ لئے پھر رہا ہے؟ تنہا 'مذہبی اجارہ دار' ہی کیوں 'عتاب نازل کرنے' پر اُتر آئے؟ آخر یہ کیسی 'قرآنی دعوت' ہے جس پر اربابِ اقتدار کو نہ صرف یہ کہ کوئی پریشانی لاحق نہیں ہے بلکہ وہ اس پر راضی بھی ہیں۔ قرآن کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ جب بھی آوازۂ قرآن اُٹھا، اس کی سب سے پہلی مخالفت 'اربابِ اقتدار' ہی کی طرف سے ہوئی۔ طاغوت کو اس میں اپنی موت نظر آئی۔ نمرودیت نے اس آواز کو کچل ڈالنے کی ٹھانی۔ فرعونیت اسی آواز پر لرزہ براندام ہوئی۔ لیکن یہ کیسی 'خالص قرآنی دعوت' ہے جس کو وقت کی طاغوتی طاقتیں ٹھنڈے پیٹوں گوارا کر رہی ہیں۔ عصر حاضر کے فراعنہ نہ صرف یہ کہ اس دعوت سے خائف نہیں ہیں بلکہ اس سے راضی بھی ہیں۔ نمارۂ عصر رواں اس کو سنتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف کسی ادنیٰ سی چبھن، ہلکی سی خلش، خفیف سی تشویش اور معمولی سا اضطراب تک بھی محسوس نہیں کرتے بلکہ دامے، درمے، قدمے، سخنے، درپردہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس 'خالص قرآنی دعوت' دینے والوں پر نہ کبھی زمین تنگ ہوئی، نہ اُنہیں اس دعوت کی خاطر ترکِ وطن کرنا پڑا۔ نہ اُن کے راستے میں کبھی شعبِ ابی طالب کی گھاٹی آئی، نہ کبھی پیروانِ 'دعوتِ قرآنی' کو قید و بند کے مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ نہ کبھی پھانسی کی رسی ان کی گردن تک پہنچی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ 'خالص قرآنی دعوت' اپنے علمبردار 'مفکر قرآن' کو نظامِ باطل کی چاکری اور خدمتِ طاغوت کے ذریعہ 'رزقِ حلال' کا بھی درس دیتی رہی ہے۔

یہ صورتِ حال اس امر کو واضح کر ڈالتی ہے کہ حقیقت وہ نہیں جسے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اگر واقعی یہ 'خالص قرآنی دعوت' ہوتی تو اَسود و اَحمر، اسے مٹا ڈالنے پر تُل جاتے۔ فرعون و نمرود اپنے لاؤ لشکروں کے ساتھ اس کا تعاقب کرتے۔ طاغوتی طاقتیں اس 'دعوتِ حق' اور اس کے

علمبرداروں کو کچل ڈالنے کے لئے اپنے جملہ ذرائع و وسائل جھونک دیتیں اور دنیا کا ہر باطل اقتدار اس کا گلا گھونٹ دینے سے کم کسی بات پر راضی نہ ہوتا لیکن دیکھا یہ جارہا ہے کہ باطل اقتدار اور طاغوتی طاقتیں اس 'قرآنی دعوت' کو اپنے استحکام کا ذریعہ جانتے ہوئے درپردہ اس کی حمایت پر کمربستہ ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ عالم اسلام کے علما اس 'خالص قرآنی دعوت' کے علمبردار پر کفر کے فتوے عائد کررہے ہیں اور خالص کفر کے علمبردار نہ صرف یہ کہ 'مفکرِ قرآن' کی تعریف وتحسین کرتے ہوئے اُنہیں خراجِ تہنیت اور گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہیں بلکہ وہ ایسی کتابیں بھی لکھ رہے ہیں جو اس 'خالص قرآنی دعوت' کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن چکی ہیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: 'جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں')

بہرحال علمائے کرام نے وقار ومتانت، شائستگی وسنجیدگی اور دلیل و برہان کے ساتھ پرویز صاحب کی مخالفت کی لیکن خود اُنہوں نے جوابی مخالفت میں جو اسلحہ استعمال کئے، وہ سب وشتم، دشنام طرازیوں، افترا پردازیوں، تہمت تراشیوں، بہتان طرازیوں اور کذب بیانیوں کے اسلحہ تھے جس پر میری متذکرہ بالا کتاب کا ایک ایک لفظ شاہد ہے۔

مخالفتِ علما میں پرویزی حیلے

چونکہ 'مفکرِ قرآن' کا تصورِ اسلام علمائے کرام کے تصورِ اسلام سے نہ صرف مختلف بلکہ متضاد بھی تھا، اس لئے اُنہوں نے علمائے کرام کی مخالفت کے لئے ایک ایسی ٹیکنیک اختیار کی جس کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ علما حضرات کو خوب کثرت سے نشانہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے مُلا کا لیبل تراشا اور سارے جہاں کی نفرتوں کو اسی لفظ میں سمیٹتے ہوئے ہر اس عالم دین پر اس لیبل کو چپکا دیا جو قرآن وسنت کا داعی تھا۔

پرویزی مخالفتِ علما کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ قرآن وسنت پر مبنی اسلام کو اُس معیار پر پرکھا جائے جو تہذیبِ مغرب نے اس کے لئے طے کررکھا ہے اور ساتھ ہی حدیث وسنت کو بھی نشانہ بنا کر اسے مشکوک قرار دیتے ہوئے ساقط الاعتبار ٹھہرایا جائے۔

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک پہلے کا تعلق ہے، 'مفکر قرآن' نے لیبل تراشی کرتے ہوئے لفظ 'ملا' کا پیکر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

① 'ملا' کے پیکر کا خمیر ہی نفرت اور خوف سے مرکب ہوتا ہے اور یہ خصوصیت مسلمانوں کے 'ملا' ہی کی نہیں، بلکہ دنیا کے ہر مذہب کے 'ملا' کی ہی خصوصیت ہوتی ہے۔ ⑫

② 'ملا' کے پاس نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت؛ نہ دلائل ہوتے ہیں، نہ براہین۔ ⑬

③ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں اور جس چیز کو یہ قرآن کہہ کر پیش کرتے ہیں، اس میں قرآن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ⑭

④ یہ لوگ قرآن کے عملاً منکر ہوتے ہیں۔ ⑮

⑤ قرآن 'ملا' کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ ⑯

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بارے میں 'مفکرِ قرآن' صاحب کا خاص طور پر یہ اعلان تھا:

''پاکستان میں ملائیت کے منظم ادارے کے سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔'' ⑰

لیکن ع یہی دلسوز ہے جو رہ چکا ہے دل نشین برسوں

انہی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے متعلق کبھی طلوع اسلام نے بقلم پرویز یہ بھی لکھا تھا:

''خدا تعالیٰ نے مولانا موصوف کو اس زمانہ میں اسلام کی خدمت اور ملتِ کی تجدید کے لئے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے اور وہ شرحِ صدر، وہ اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین دیا ہے جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح اِدراک کرکے قرآنِ کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے۔ 'ترجمان القرآن' کا موضوع قرآنِ حکیم ہے۔ ایک طرف وہ قرآن حکیم کی روشنی میں تاریک دلوں کو منور کررہا ہے اور دوسری طرف فرنگی اور مغربی الحاد کے خلاف مسلسل جہاد کرکے مغربی فلسفہ کا رعب دلوں سے نکال رہا ہے۔ قرآنِ حکیم کو منشاے الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا، صحیح اُصولوں پر اس کی نشر واشاعت کرنا، اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا اور اُن کو عقل سلیم کی حجت سے بند کرنا، اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب نہ ہونا،

---

⑫ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۱۳ ⑬ طلوع اسلام ۵ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۴

⑭ طلوع اسلام، جون ۱۹۵۶ء، ص ۶ ⑮ طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، ص ۱۰

⑯ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص ۳۲ ⑰ طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، ص ۱۵

www.KitaboSunnat.com

ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل قرآنِ کریم سے پیش کرنا وغیرہ، وہ خصوصیات ہیں جو بحمداللہ رسالہ 'ترجمان القرآن' کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں آج کل سیاست کے نام سے جو گمراہی پھیلائی جارہی ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سے غافل نہیں ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی بھی فرمارہے ہیں۔''⑱

امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ کی نظر اپنی وسعتِ مطالعہ کے لحاظ سے جدید و قدیم پر حاوی تھی۔ ان ہی خوبیوں اور کمالات کے باعث وہ ایک ایسی نمایاں اور قدآور ہستی تھے جو اُنہیں ممتاز و ممیّز کئے ہوئے تھی۔ ان فضائل و کمالات کا پاکستان بننے سے قبل پرویز صاحب کو بھی اعتراف تھا لیکن قیامِ پاکستان کے بعد جب اُنہوں نے نیا اسلام وضع کیا اور مولانا مودودیؒ سے اس نوساختہ اسلام کے انکار کا جرم سرزد ہوا تو 'مفکرِ قرآن' ان کے شرف و امتیاز کو خاک میں ملانے کے لئے یہ کہنے لگے:

''حقیقت یہ ہے کہ مولوی نہ کسی شخص کا خطاب ہے اور نہ کسی زمانہ سے مختص۔ یہ ایک ذہنیت ہے۔ پرانا مولوی جو کچھ کہے گا اور کرے گا، ماڈرن مولوی اس سے بہتر مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ البتہ اس کے ہاں انگریزی کے بعض الفاظ کا استعمال ہوگا۔''⑲

''بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ ذہنیت جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، پرانی وضع کے ملاؤں کی ہے، نئے دور کے 'علماے کرام' اس قسم کے نہیں ہیں، لیکن قدیم و جدید کی یہ تمیز محض ان کی خوش فہمی ہے۔ مُلّا مُلّا ہی رہتا ہے، خواہ وہ دورِ قدیم کا ہو یا عصرِ جدید کا۔ اصل چیز وہ قوت ہے جو مذہب کے نام سے اُسے حاصل ہوتی ہے۔''⑳

اور یہ 'ماڈرن مولوی' اور مُلّا کا لقب تو مولانا مودودیؒ کی بابت تھا، اب ان کی جماعت (جماعت اسلامی) کے متعلق بھی ان کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے:

''ان (حکمرانوں) میں ایسے تھے جو جانتے تھے کہ صحیح اسلام کیا ہے؟ لیکن وہ ملا کے پراپیگنڈے سے ڈرتے تھے، اس لئے اسے کھلے بندوں، زبان پر یا عمل میں لانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مُلّا سے اس ضمن میں بنیادی طور پر مراد جماعتِ اسلامی ہے۔''㉑

---

⑱ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء، ص ۳۷
⑲ طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۰ء، ص ۲۹
⑳ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۱ء، ص ۳۷
㉑ طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۳ء، ص ۸

www.KitaboSunnat.com

مولانا مودودیؒ اوران کی جماعت پر 'ملا' کا لیبل لگا دینے کے بعد 'مفکر قرآن' صاحب، جماعت اسلامی سے وابستہ افراد اور ان کے اندازِ تحریر اور اُسلوبِ نگارش کو بایں الفاظ نشانہ بناتے ہیں:

''ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اگرچہ تعلیم یافتہ کہلاتا ہے،لیکن ابتدائی تعلیم و تربیت اور ماحول کے اثرات اور اپنی فکری صلاحیتوں کے فقدان کے باعث مذہب کے معاملہ میں بالکل عوام جیسا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کا ظاہر ماڈرن ہے، لیکن باطن، اسی دقیانوسی ملائیت کا حامل... یہ جماعت، دقیانوسی ملائیت کی پیکر ہے لیکن اُنہوں نے اُسلوبِ نگارش ماڈرن رنگ کا اختیار کررکھا ہے۔ چنانچہ یہ طریق پرانے مولویانہ طریق سے مختلف ہے۔ اس لئے یہ لوگ محض اُسلوبِ بیاں اور طریق استدلال کے فرق کی بنا پر یہ خیال (Impression) عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا پیش کردہ مذہب ملائیت سے مختلف ہے۔اس سے وہ تعلیم یافتہ طبقہ یعنی سوٹ پہننے والا ملا ان کا ہم نوا ہوجاتا ہے کیونکہ اس سے ان کی ظاہری ماڈرنزم بھی قائم رہ جاتی ہے اور قلبی ملائیت کی بھی تسکین ہوجاتی ہے۔''(۴۲)

اس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں:

① جاہلی عصبیت

اوّلاً ـــــ یہ کہ 'مفکر قرآن' صاحب کے نزدیک مُـلّا ہر وہ شخص ہے جو ان کے فکر کو قبول نہیں کرتا، قطع نظر اس کے کہ وہ جدید تعلیم یافتہ ہے یا نہیں۔ وہ اپنی فکر سے بیگانہ افراد کو خواہ ان کا اُسلوبِ تحریر جدید انداز کا ہو یا قدیم، اس خودساختہ لیبل کا مستحق گردانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر اس شخص کو جو اُن کا فکر نہیں اپناتا، اُنہیں اس لیبل کے تحت تضحیک و استہزا اور توہین کا نشانہ بنایا جائے۔ اس کے برعکس ہر وہ شخص مُـلّا نہیں ہے جو قرآن کے نام پر ان کے خود ساختہ دین کو قبول کئے ہوئے ہے۔خواہ وہ جدید تعلیم پائے ہو یا قدیم۔ یہ وہی ٹریڈ یونین ازم ہے جس کے تحت وہ قرآن کے نام کی آڑ میں جاہلانہ عصبیت کا شکار ہیں اور اپنے گروہ سے باہر ہر فرد کو مُـلّا گردانتے ہوئے کشتنی وسوختنی قرار دیتے ہیں۔

---

(۴۲) طلوع اسلام، اگست وستمبر ۱۹۵۲ء، ص ۱۳

www.KitaboSunnat.com

④ 'کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ'

ثانیاً ــــــ یہ کہ اپنے مخالفین کے لئے لیبل تراش کر اس کے تحت اِنہیں مطعون کرنا خود 'مفکر قرآن' (اور منکرین حدیث) کی وہ قبیح حرکت ہے جسے بہتاناً وہ اپنے فکری حریفوں کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ 'کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ' کا رویہ اپنانا، 'مفکرِ قرآن' کی ایک مستمر پالیسی تھی* تاکہ ان کی اپنی ایسی عادت چھپی رہے اور لوگوں کی توجہ اس شخص کی طرف مبذول ہوجائے جس کی طرف وہ اُسے منسوب کردیا کرتے تھے۔ اب یہاں یہ ملاحظہ فرمایئے کہ لیبل تراشی کی جو حرکت وہ خود علماے کرام کے خلاف کررہے ہیں، ٹھیک اسی حرکت کا مرتکب وہ زعماے دین کو قرار دیتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں:

> ''مُـلَّا کے پاس نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت؛ نہ دلائل ہوتے ہیں، نہ براہین۔ لیکن اس کے پاس ایک خطرناک حربہ ہوتا ہے جس کا جواب فریق مخالف کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حربہ ہوتا ہے کفر کا فتویٰ یا لیبل۔ وہ دلائل کی بجائے ایک لیبل تراشتا ہے اور فریق مقابل پر چسپاں کردیتا ہے۔'' (۴۳)

چنانچہ علماے کرام نے جو لیبل تراشا اور (بقولِ پرویز) اُن پر چسپاں کیا، وہ ہے: منکر سنت اور منکر حدیث ہونے کا لیبل:

> ''یہ حضرات طلوعِ اسلام کے پیش کردہ قرآنی دلائل کا جواب تو دے نہیں سکتے، اس لئے اُنہوں نے اس کے خلاف وہی حربہ استعمال کیا ہے جسے یہ اپنے مخالفین کے لئے شروع سے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔ اُنہوں نے مشہور کردیا کہ طلوعِ اسلام، منکر حدیث ہے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کردیا۔'' (۴۴)

امر واقعہ یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' کو منکرِ حدیث یا منکرِ سنت کہنا، نہ کوئی لیبل تراشی ہے اور نہ الزام بازی، نہ کوئی طنز ہے اور نہ کوئی گالی، بلکہ یہ صرف امر واقعہ کا اظہار ہے، کیونکہ یہ لوگ خود حجیتِ حدیث کا یہ کہہ کر انکار کردیتے ہیں:

> ''حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں، لیکن

---

(۴۳) طلوع اسلام، ۵ فروری ۱۹۵۵ء، ص۴
(۴۴) طلوع اسلام، ۱۲ فروری ۱۹۵۵ء، ص۳

www.KitaboSunnat.com

دین میں حجت کے طور پر وہ پیش نہیں کی جاسکتی۔''[۲۵]

اس سے یہ بات واضح ہے کہ ان لوگوں کو 'منکرِ حدیث یا منکر سنت' کہنا ہرگز لیبل سازی نہیں ہے، لیکن علما پر لیبل سازی کا الزام، بہ تکرارِ بسیار صرف اس لئے دہرایا جاتا ہے کہ مُـلَّا اور ملائیت کے جو لیبل وہ خود تراش چکے ہیں، ان کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول نہ ہوسکے۔

علما کے خلاف فتواے پرویز

لیکن ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب اس سے آگے بڑھ کر خود ایک لیبل، بصورتِ فتویٰ تراشتے ہیں اور علماے کرام کو 'قرآن سے جاہل' ہی نہیں بلکہ 'منکرِ قرآن' بھی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ صرف اپنی فکر ہی کو قرآنی فکر قرار دیتے ہوئے اپنے مخالف علما کے متعلق یہ لکھتے ہیں:

> ''لیکن اس آواز کی مخالفت تمام منکرین قرآن کی طرف سے ہوگی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مختلف فرقوں کے وہ علما، جو کل تک ناف پر یا چھاتی پر ہاتھ باندھنے کے اختلاف پر، باہمدگر دست وگریباں ہوا کرتے تھے، قرآن کی اس آواز کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہوگئے ہیں۔''[۲۶]

اور یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ کی آڑ میں، مولانا مودودیؒ پر بطور خاص 'منکرِ قرآن' ہونے کا فتویٰ بایں الفاظ رسید کیا:

> ''طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت سے محروم نہیں ہوسکتا۔ اس کے جواب میں منکرین قرآن کی طرف سے جو جواب شائع ہوا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیے۔[۲۷]

چونکہ اس کے بعد جس جواب کو مقتبس کیا گیا ہے، وہ مولانا مودودیؒ ہی کا جواب ہے، اس لئے یہ فتویٰ یا لیبل اُن ہی پر چپکایا گیا ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب علماے کرام کے دین اسلام کو (جو قرآن وسنت پر مبنی ہے) زمانۂ قبل از نزولِ قرآن کے اہل کتاب کا مذہب قرار دیا کرتے تھے، یا اسے ایرانیوں کا تراشیدہ 'عجمی اسلام' کہا کرتے تھے اور خود ان علما کو اپنے 'قرآنی فتویٰ' کی روشنی میں 'منکر قرآن' قرار دیا کرتے تھے، اس لئے وہ ان سے ایسا اندازِ

---

۲۵ مقام حدیث: ص۹۲

۲۶ طلوع اسلام، نومبر۱۹۵۲ء، ص ۸

۲۷ طلوع اسلام، اکتوبر۱۹۵۲ء، ص ۵۸

www.KitaboSunnat.com

تخاطب اختیار کیا کرتے تھے جو کفار ہی کے لئے سزاوار ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر علما کے لئے لفظ 'مولانا' کے استعمال کو موہم شرک قرار دیتے ہوئے، یہی انداز اختیار کیا گیا ہے:

''کیا ہی اچھا ہو کہ اپنے آپ کو علماے دین کہلانے والے اس لفظ کا سوچ سمجھ کر استعمال کریں، والسلام علی من اتبع الهدیٰ'' [۲۸]

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر سی گفتگو اُس فتواے کفر پر بھی ہو جائے جو علماے کرام کی طرف سے ۱۹۶۲ء میں پرویز صاحب پر عائد کیا گیا تھا:

پرویز کے خلاف فتواے کفر

یہ فتویٰ تقریباً ایک ہزار علما کی طرف سے جاری ہوا تھا۔ اسے 'مفکرِ قرآن' صاحب کی کفر کی حد تک پہنچی ہوئی فکری اور اعتقادی گمراہیوں کی پوری پوری چھان بین اور وضاحت کے بعد جاری کیا گیا تھا۔ خود مفتی محمد شفیع صاحب نے اس وضاحت کو بایں الفاظ پیش کردیا تھا:

''جہاں تک آپ کے موقف و مسلک کے خلاف دلائل و براہین کا تعلق ہے، متعدد اہل علم، عرصۂ دراز سے وقتاً فوقتاً شرح و بسط کے ساتھ اور مختلف عنوانات سے اُنہیں پیش کرکے آپ کو متوجہ کرنے کی سعی کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس موضوع پر معتد بہ لٹریچر جمع ہوگیا ہے جس سے آپ ناواقف نہ ہوں گے۔ میری جانب سے ان مسائل پر بحث و مباحثہ اور ردّ وقدح کا ایک نیا سلسلہ نہ کچھ نتیجہ خیز معلوم ہوتا ہے، نہ میرے قویٰ اور مشاغل اس کی چنداں اجازت دیتے ہیں۔ اگر ان مسائل پر ہر اعتبار سے ایسے مؤثر اور مدلل انداز میں، جو طالبِ حق کے لئے کافی ہونا چاہئے، حق کی وضاحت نہ ہوسکی ہوتی تو شائد اپنی تمام معذوریوں کے باوجود اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنی بصیرت و بضاعت کی حد تک ان مسائل پر جو آپ نے اس مکتوب میں چھیڑے ہیں، ضرور کچھ لکھتا، لیکن نہ اس کی افادیت نظر آتی ہے، نہ ضرورت۔'' [۲۹]

دیگر علماے کرام کے علاوہ سب سے آخری وضاحت جس نے پوری طرح پرویز صاحب (اوران کے مقلدین) کی کافرانہ ضلالتوں کو نہ صرف بے نقاب کردیا تھا بلکہ مکمل طور پر اتمامِ حجت بھی کر ڈالی تھی، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرف سے تھی۔ جو 'ترجمان القرآن' ستمبر ۱۹۶۱ء

---

[۲۸] طلوع اسلام، اپریل ۱۹۷۲ء، صفحہ ۴۰ [۲۹] طلوع اسلام، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۶۵

www.KitaboSunnat.com

کے 'منصب ِ رسالت نمبر' پر مشتمل تھی۔

'مفکر ِقرآن' کا ردّ عمل

جناب پرویز صاحب کا پہلا ردّ عمل یہ تھا کہ جن عبارتوں پر فتواے کفر کی اساس تھی، ان کے علاوہ اُنہوں نے کچھ ایسی اپنی عبارتیں پیش کیں جن پر اُن کے بقول فتویٰ عائد نہیں ہوتا اور اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مفتیانِ کرام نے جملہ عبارات کو پیش نظر رکھ کر دیانتداری سے فتویٰ نہیں دیا جبکہ اصل حقیقت اس عذرِلنگ کی یہ ہے کہ 'مفکر قرآن' صاحب کا پورا لٹریچر مداری کی ایسی پٹاری ہے جس میں تضادات کا وافر ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے اور 'مفکر قرآن' صاحب جس وقت جس چیز کو مفید مطلب پاتے ہیں، پیش کردیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مفتی صاحب کو پرویز صاحب نے جو خط لکھا اس میں یہ شکایت کی تھی کہ

> ''میری تحریروں میں سے ایک ایک، آدھ آدھ فقرہ، اِدھر اُدھر سے اَخذ کرلیا گیا ہے اور اُنہیں مکمل اقتباسات کہہ کر پیش کردیا گیا ہے۔ پھر ان منتشر ٹکڑوں سے جو مفہوم مرتب کیا گیا ہے، وہ بے حد غلط اور گمراہ کن ہے۔'' (۳۰)

مفتی صاحب نے اسے علماے کرام پر بہتان قرار دیا اور مزید یہ لکھا کہ

> ''آپ نے پھر خلطِ مبحث کی سعیٔ لاحاصل شروع کردی، اور ایک طویل مراسلہ لکھ مارا، جس کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تصانیف میں، متعدد جگہ ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق صحیح تصور بھی پیش کیا ہے۔ معلوم نہیں اس کی ضرورت آپ کو کیوں لاحق ہوئی، اس لئے کہ علما نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ساری عمر میں آپ نے اپنی تحریروں میں کوئی بات یا کوئی عبارت صحیح لکھی ہی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ اگر سو جگہ، ایک شخص بالکل صحیح بات کہے اور دس بیس جگہ بالکل غلط اور کافرانہ عقائد کا اظہار کرے تو کیا محض یہ امر کہ اس نے متعدد مرتبہ صحیح بات کہی تھی، اس کو غلط تصورات رکھنے یا شائع کرنے کی ذمہ داری سے بری قرار دے دے گا؟ آخر مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی تو متعدد جگہ اپنے آپ کو غیر نبی ہی قرار دیا ہے، صرف چند ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اُس نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا ہے۔'' (۳۱)

(۳۰) طلوع اسلام، مئی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۶
(۳۱) طلوع اسلام، مئی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۶ تا ۱۴۷

www.KitaboSunnat.com

فتویٰ کی اتھارٹی

فتواے کفر پر اپنے ردّعمل ہی کے سلسلہ میں 'مفکرِقرآن' صاحب نے علماے کرام کے خلاف یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ

''ان حضرات (یا کسی اور) کو یہ اتھارٹی کہاں سے مل جاتی ہے کہ وہ کسی کے کفر اور اسلام کا فیصلہ کر دیں؟ علما کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے کسی مذہبی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں، تو کیا ان کتابوں کے پڑھ لینے سے کسی کو یہ حق حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ جسے چاہیں کافر قرار دے دیں۔''[۳۲]

لیکن معلوم نہیں کہ ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب کو کسی مذہبی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھے بغیر ہی یہ اُتھارٹی کہاں سے مل گئی کہ وہ علماے کرام پر 'منکرین قرآن' ہونے کا فتویٰ رسید کریں اور ان کے مبنی برقرآن وسنت دین کو دورِ نزول قرآن سے قبل اہل کتاب کا مذہب قرار دیں، اور کراچی کی سابقہ بزمِ طلوعِ اسلام کے ان اراکین پر 'منافق' ہونے کا فتویٰ عائد کریں جن کو میزان پبلی کیشنز کے پھڈے میں اس دن بزمِ طلوعِ اسلام سے دربدر اور جلاوطن کردیا گیا تھا جسے طلوعِ اسلام کی تاریخ میں خود 'مفکر قرآن' صاحب نے 'یوم الفرقان' قرار دے رکھا ہے۔ کیا اُنہوں نے میاں عبدالخالق اور حافظ برکت اللہ وغیرہ کے سینوں کو چاک کرکے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہاں نفاق ہی نفاق پایا جاتا تھا؟ یا اپنے ہم نام مرزا غلام احمد آنجہانی، متنبّی دورِ حاضر کی طرح اُنہیں بھی وحی پانے کا دعویٰ ہے؟ اگر یہ دونوں باتیں ہیں تو پھر کیا وہ 'مزاج شناس خدا' تھے جس کی بنا پر 'منافقین قرآن' کے باطن ان پر روشن اور بے نقاب ہوچکے تھے؟

فتویٰ اور حکومتی ذمہ داری

علماے کرام کی طرف سے جاری ہونے والے فتویٰ پر 'مفکرِقرآن' کا تیسرا ردّعمل مندرجہ ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

''باقی رہے مفتی، سو اِسلامی سلطنت میں یہ ایک منصب تھا جس پر کوئی شخص، حکومت کی طرف سے تعینات ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی مفتی نہیں ہوتا تھا۔ جس طرح آج کل ایڈووکیٹ

---

[۳۲] طلوع اسلام، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۵۵

www.KitaboSunnat.com

جنرل یا اٹارنی جنرل حکومت کی طرف سے تعینات ہوتے ہیں اور ہر وکیل اپنے آپ کو نہ ایڈووکیٹ جنرل قرار دے سکتا ہے اور نہ ہی اس منصب کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔ مفتی کی حیثیت مشیر قانونی کی ہوتی تھی۔ اس کا کام صرف مشورہ یا رائے دینا تھا، فیصلہ کرنا نہیں تھا۔ فیصلہ حکومت خود کرتی تھی یا اس کی طرف سے مقرر کردہ قاضی۔ اب نہ وہ حکومتیں باقی ہیں، نہ ان کی طرف سے مقررہ کردہ مفتی لیکن یہ حضرات ابھی تک اپنے آپ کو ان ہی معنوں میں مفتی سمجھتے ہیں اور صرف مفتی کے فرائض ہی انجام نہیں دیتے بلکہ قاضی کی حیثیت سے فیصلے بھی صادر کرتے ہیں۔''(۴۳)

کیا وابستگانِ طلوعِ اسلام ہمیں یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ ان کے 'بابا جی' کی طرف سے 'انکارِ قرآن' اور 'نفاق اعتقادی' کے یہ فتوے کس اتھارٹی کی بنا پر صادر ہوئے تھے؟ کیا وہ اس وقت خود حکومت تھے؟ یا حکومت پاکستان کی طرف سے صاحبِ اختیار ہستی تھے جنہیں حکومت نے اس کام کے لئے تعینات کیا تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے متعلق ایمان و کفر، یا نفاق و اخلاص کے فیصلے صادر فرمایا کریں۔ (جاری ہے)

---

(۴۳) طلوع اسلام، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۵۵

''نماز دین کا ستون ہے؟'' کیا یہ مفہوم نبی کریم ﷺ سے سنداً ثابت شدہ ہے؟

'محدث' جنوری ۲۰۰۷ء (ص ۳۶) پر مشہور روایت «الصلاة عماد الدين» کی ضعیف الجامع الصغیر کے حوالے سے ضعف کی نشاندہی کی گئی تھی، جبکہ طبرانی میں موجود حدیث کے الفاظ «رأس الأمر الإسلام من أسلم سلم وعموده الصلاة» (دین کا ستون نماز) کو علامہ البانیؒ نے صحیح الجامع الصغیر (رقم ۹۲۶۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔ اِصلاح فرمالیں!

توجہ فرمائیں: عذابِ قبر کے حوالے سے گذشتہ شمارے میں شائع شدہ مضمون کا دوسرا حصہ موجودہ شمارہ کی ضخامت کی بنا پر آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ

www.KitaboSunnat.com

نقد ونظر

محمد رفیق چودھری

پردے کے بارے میں غامدی صاحب کی مغالطہ انگیزیاں

عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا کوئی ایک موقف نہیں ہے بلکہ وہ وقت اور حالات کے مطابق اپنا موقف بدلتے رہتے ہیں:

* کبھی فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے چادر، برقعے، دوپٹے اور اوڑھنی کا تعلق دورِ نبویؐ کی عرب تہذیب وتمدن سے ہے اور اسلام میں ان کے بارے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے۔
* کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ .....جس میں ازواجِ مطہرات، بناتِ نبی ﷺ اور عام مسلمان خواتین کو جِلباب یعنی بڑی چادر اوڑھ کر اور اُس کا کچھ حصہ چہرے پر لٹکا کر گھر سے باہر نکلنے کا حکم ہے..... یہ حکم ایک عارضی حکم تھا اور ایک وقتی تدبیر تھی جو مسلم خواتین کو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے چھیڑنے اور ایذا پہنچانے سے بچانے کے لئے اختیار کی گئی تھی۔ یہ قرآن کا مستقل حکم نہیں تھا جو بعد میں آنیوالی مسلمان خواتین پر بھی لاگو ہو۔
* اور کبھی کہتے ہیں کہ حجاب کا تعلق صرف ازواجِ مطہرات کے ساتھ خاص تھا۔

اس مضمون میں ہم سب سے پہلے قرآن کی روشنی میں پردے کے احکام کی تفصیل بیان کریں گے اور آخر میں پردے کے بارے میں غامدی صاحب کے متلون موقف پر تبصرہ کریں گے:

قرآنِ مجید میں پردے کے احکام

عورت کے پردے کے بارے میں اکثر لوگ یہ خلطِ مبحث کرتے ہیں کہ وہ ستر اور حجاب میں فرق نہیں کرتے، جب کہ شریعتِ اسلامیہ میں ان دونوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ عورت کا ستر یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے سوا اپنا پورا جسم چھپائے گی جس کا کوئی حصہ بھی وہ اپنے شوہر کے سوا کسی اور کے سامنے کھول نہیں سکتی۔ ستر کا یہ پردہ ان افراد سے ہے جن کو شریعت نے مَحرم قرار دیا ہے اور ان محرم افراد کی پوری تفصیل قرآنِ مجید کی

www.KitaboSunnat.com

سورۂ نور کی آیت: ۳۱ میں موجود ہے اوران میں عورت کا باپ، اس کا بیٹا، اس کا بھائی، اس کا بھانجا اور اس کا بھتیجا وغیرہ شامل ہیں۔ ان محرم افراد سے عورت کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کا پردہ نہیں ہے، البتہ ان کے سامنے عورت اپنے سر اور سینے کو اوڑھنی یا دوپٹہ وغیرہ سے ڈھانپے گی۔ ستر☆ کے یہ احکام سورۂ نور میں اسی طرح بیان ہوئے ہیں:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (النور: ۲۷تا۳۱)

''اے نبیؐ! آپ مؤمن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے سامنے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے سسر کے، یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے شوہر کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے لونڈی غلام کے، یا زیردست مردوں کے جو کچھ غرض نہیں رکھتے، یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے ابھی ناواقف ہوں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے اور اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

گھر میں محرم مردوں کے سامنے عورت کے لئے پردے کی یہی صورت ہے۔ مگر عورت کا حجاب اس کے ستر سے بالکل مختلف ہے اور یہ وہ پردہ ہے، جب عورت گھر سے باہر کسی

☆ اسے ستر کی بجائے زینت کے احکام سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس آیت میں 'زینت کو چھپانے کے احکام' ہی بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ زینت کا لفظ 'ستر' سے وسیع تر ہے مثلاً پاؤں مار کر چلنا، دیدہ زیب لباس یا زیورات کو چھپانا وغیرہ زینت کو چھپانا تو ہے لیکن ستر کو چھپانا نہیں۔ ح م

www.KitaboSunnat.com

ضرورت کے لئے نکلتی ہے یا گھر کے اندر غیر محرم مردوں سے سامنا ہوتا ہے☆۔ اس صورت میں شریعت کے وہ احکام ہیں جو اجنبی مردوں سے عورت کے پردے سے متعلق ہیں۔ حجاب کے یہ احکام قرآنِ مجید کی سورۂ احزاب کی دو آیات (۵۹ اور ۵۳) میں بیان ہوئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ گھر سے باہر نکلتے وقت عورت جِلباب یعنی بڑی چادر اوڑھے گی تاکہ اس کا پورا جسم ڈھک جائے، ایسے ہی چہرے پر بھی چادر کا ایک پلو ڈالے گی۔ اب وہ صرف اپنی آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے، باقی پورا جسم چھپائے گی۔ یہ چہرے پر نقاب کا حکم ہے، اجنبی مردوں سے عورت کا یہ پردہ ہے جسے 'حجاب' کہا جاتا ہے۔ اُردو زبان میں اسے 'گھونگھٹ نکالنا' بھی کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور اُنہیں کوئی نہ ستائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سب سے پہلے اس آیت کے اصل الفاظ پر غور کیجئے۔ اس میں یُدنین کا لفظ آیا، جس کا مصدر اِدناء ہے اور عربی زبان میں اس کے معنی 'قریب کرنے' اور 'لپیٹ لینے' کے ہیں مگر جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آجائے تو پھر اس میں اِرخاء کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے کہ 'اوپر سے لٹکا لینا'۔ دوسرا اہم لفظ جَلَابِیبِھِنَّ ہے۔ جَلابیب جمع ہے جلباب کی جس کے معنی رِدَاء یعنی 'بڑی چادر' کے ہیں اور اس کے ساتھ مِنْ کا حرف آیا ہے جو یہاں تبعیض ہی کے لئے ہوسکتا ہے، یعنی چادر کا ایک حصہ۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں جب کسی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ لیں اور ان کا ایک حصہ یا ان کا پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ اُردو زبان میں اسے گھونگھٹ نکالنا کہا جاتا ہے۔ اِدْنَاء عَلٰی کے الفاظ کا استعمال عربی زبان میں اسی مفہوم کے لئے ہے۔ جب کسی عورت کے چہرے پر سے کپڑا

☆ جیسا کہ قرآن کریم میں اسے بھی 'حجاب' قرار دیا گیا ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ ''جب تم ان سے کسی شے کا سوال کرو تو حجاب کے پیچھے سے کیا کرو۔''

www.KitaboSunnat.com

سرک جائے تو اسے دوبارہ چہرے پر لٹکا لینے کے لئے عربی زبان میں یوں کہا جائے گا:

اَدْنِيْ ثَوْبَكِ عَلٰى وَجْهِكِ ''اپنا کپڑا اپنے چہرے پر لٹکا لو۔''

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عورت کے لئے چہرے کے پردے اور کپڑا لٹکانے کا یہ حکم اجنبی مردوں سے متعلق ہے تو یہ مفہوم لینے کا واضح قرینہ اسی آیت کے ان الفاظ میں موجود ہے کہ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ یعنی جب عورتیں اپنے چہرے کا پردہ کریں اور چادر اوڑھیں گی تو اجنبی لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ شریف زادیاں ہیں۔ اس طرح کسی بدباطن کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کو چھیڑے یا ستائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح پہچاننے کی اور چھیڑنے ستانے کی صورت گھر سے باہر کے ماحول ہی میں پیش آسکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ بڑی چادر لینے کی ضرورت بھی عموماً گھر سے باہر ہوسکتی ہے، کیونکہ گھر میں اجنبی مردوں کی آمد شاذ ونادر ہی ہوتی ہے۔ گھر میں چونکہ اکثر محرم مردوں سے ہی سامنا ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے عورت کے پردے کے بارے میں الگ سے حکم موجود ہے جو سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ ''اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔'' گویا گھر کے اندر عورت کو چادر پہننے کی ضرورت نہیں، صرف اوڑھنی کافی ہوسکتی ہے، کیونکہ گھر میں اجنبی مردوں سے بہت کم سامنا ہوتا ہے اور جب وہ گھر سے باہر نکلے گی تو بڑی چادر اوڑھے گی جس کا ایک حصہ اپنے چہرے پر بھی ڈال لے گی۔☆

اُمتِ مسلمہ کے تمام جلیل القدر مفسرین نے سورۂ احزاب کی اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے:

☆ پردہ کے سلسلہ میں تیسری اہم آیت سورۃ الاحزاب کی آیتِ حجاب (نمبر۵۳) بھی ہے جس میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ اگر کوئی غیر محرم شخص خواتین خانہ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے حجاب کے پیچھے سے یہ تقاضا کرنا چاہئے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ کی رو سے خواتین کو گھروں سے باہر جلباب..... یعنی ایسی بڑی چادر جو سر سے اُنہیں ڈھانپ لے اور اس میں ان کا چہرہ بھی چھپ جائے..... اوڑھنے کا حکم ہے وہاں سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ کی رو سے گھروں کے اندر بھی غیر محرم مردوں سے اُنہیں حجاب کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ احکام تو غیر محرم مردوں کیلئے ہیں، جہاں تک محرم مردوں کا تعلق ہے تو سورۃ النور کی آیتِ زینت (نمبر۳۱) کی رو سے عورتوں کو چند محرم مردوں کے سامنے ہی اپنی زینت دکھانے کی اجازت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

① حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے، اسے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے کہ

أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة

''اللہ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لئے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپالیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔''

② ابن جریرؒ اور ابن منذرؒ کی روایت ہے کہ محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ (یہ حضرت عبیدہ نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے مگر حاضر خدمت نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اُنہیں فقہ اور قضا میں قاضی شریحؒ کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔) اُنہوں نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

③ امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر جامع البیان (ج۲۲/۳۳) پر اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ

''شریف عورتیں اپنے لباس میں لونڈیوں سے مشابہ بن کر گھر سے نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوئے ہوں، بلکہ اُنہیں چاہئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی فاسق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کرے۔''

④ امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

فأمر الله الحرائر بالتجلبب...المراد يعرفن أنهن لا يزنين لأن من تستر وجهها مع أنه ليس بعورة لا يطمع فيها أنها تكشف عورتها فيعرفن أنهن مستورات لايمكن طلب الزنا منهن

''اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادر اوڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی، حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے، اس سے کوئی شخص یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے کھولنے پر راضی ہوگی۔ اس طرح ہر شخص جان لے گا کہ یہ باپردہ عورتیں ہیں، ان سے زنا کی

www.KitaboSunnat.com

اُمید نہیں کی جاسکتی۔''

⑤ مشہور مفسر زمخشری، اسی آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

یرخینها علیهن ویغطین بها وجوههن وأعطافهن (الکشاف: ج۲ر ص۲۲۱)

''وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔''

⑥ علامہ نظام الدین نیشاپوریؒ اپنی تفسیر 'غرائب القرآن' میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''عورتیں اپنے اوپر چادر کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں، اس طرح عورتوں کو سر اور چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (ج ۲۲ر ص۳۲)

⑦ مشہور حنفی مفسر ابوبکر جصاصؒ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

في هذه الآية دلالة أن المرأة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين وإظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا يطمع أهل الريب فيهن

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت ستر اور عفت کا اظہار کرنا چاہئے تاکہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں مبتلا نہ ہوں۔'' (احکام القرآن: ج۳ر ص۴۵۸)

⑧ علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ اپنی تفسیر 'تفسیر نسفی' میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

ومعنى ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ يرخينهن عليهن ويغطين بها وجوههن وأعطافهن (تفسیر نسفی: ج۳ر ص۳۱۳)

''اور آیت کے الفاظ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس طرح اپنے چہروں اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔''

⑨ مفتی محمد شفیع مرحوم اپنی تفسیر 'معارف القرآن' میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

''اس آیت نے بصراحت چہرہ کے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ جس سے اس مضمون کی مکمل تائید ہوگئی جو اوپر حجاب کی پہلی آیت کے ذیل میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اگرچہ فی نفسہٖ ستر میں داخل نہیں، مگر بوجہ خوف فتنہ کے ان کا چھپانا بھی ضروری ہے، صرف مجبوری کی صورتیں مستثنیٰ ہیں۔'' (معارف القرآن: ج۷ر ص۲۳۴)

www.KitaboSunnat.com

⑩ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ صرف چادر لپیٹ کر زینت چھپانے ہی کا حکم نہیں دے رہا ہے بلکہ یہ بھی فرما رہا ہے کہ عورتیں چادر کا ایک حصہ اپنے اوپر سے لٹکا لیا کریں۔ کوئی معقول آدمی اس ارشاد کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں لے سکتا کہ اس سے مقصود گھونگھٹ ڈالنا ہے تاکہ جسم ولباس کی زینت چھپنے کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی چھپ جائے۔'' (تفہیم القرآن: ج۴ص۱۳۱)

⑪ مولانا امین احسن اصلاحی (جاوید غامدی صاحب کے 'استاد امام') اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''قرآن نے اس جلباب سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور اُنہیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت نہ آئے۔ یہی جلباب ہے جو آج بھی دیہات میں شریف بوڑھی عورتیں لیتی ہیں جس نے بڑھ کر برقع کی شکل اختیار کرلی ہے۔'' (تدبر قرآن: ج۶ص۲۶۹)

حضرات مفسرین نے سورۂ احزاب کی اسی زیر بحث آیت ۵۹ میں چہرے کے پردے کا حکم سمجھا ہے اور چہرے کا یہ پردہ خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے پیش نظر زنا اور زنا کے مقدمات ومحرکات کی پیش بندی اور روک تھام ہے۔ ورنہ حقیقت ہر شخص پر عیاں ہے کہ ایک جوان عورت کا چہرہ ہی سب سے زیادہ جاذبِ نگاہ اور صنفی محرک ہوتا ہے، بالخصوص جب اسے غازہ ورنگ سے بھی خوب مزین کردیا جائے۔ فقط چہرہ دیکھ لینے ہی سے عورت کے حسن وجمال کا اندازہ کرلیا جاتا ہے اور بغیر چہرہ دیکھے اس کے حسن وجمال کا تصور ممکن نہیں ہوتا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو اسلام محرکاتِ زنا کو ایک ایک کرکے ان کی مخالفت کرتا ہے۔ جو نامحرم عورت کو دیکھنے پر پابندی لگاتا ہے اور غض بصر کا حکم دیتا ہے۔ جو مرد اور عورت کو تنہائی میں یکجا ہونے سے روکتا ہے۔ جو عورت کو کسی غیر مرد سے بات کرتے وقت لگاوٹ کا لہجہ اختیار کرنے سے منع کرتا ہے۔ جو اس کی آواز کا پردہ چاہتا ہے کہ عورت نماز میں امام کو اس کی غلطی پر ٹوکنے کے لئے 'سبحان اللہ' تک نہ کہے۔ عورت اپنی کوئی زینت بھی غیر مرد کو نہ دکھائے۔ وہ اسلام یہ کیسے چاہے گا کہ چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑے دروازے کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے، اور نسوانی حسن وجمال کے

www.KitaboSunnat.com

مرکز چہرے کو چھپانے کا کوئی حکم نہ دیا جائے۔

البتہ ہنگامی اور جنگی صورتِ حال میں یا حج اور عمرہ کے مناسک ادا کرتے وقت، علاج معالجے کی صورت میں اور زیادہ بوڑھی عورت کے لئے چہرے کے پردے میں رخصت دی گئی ہے، مگر اصل حکم جو عام ہے اور سب کے لئے ہے، وہ یہی ہے کہ اسلام میں عورت کے چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

پردے کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف اور اس پر ہمارا تبصرہ

عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید غامدی صاحب کا موقف 'ارتقا پذیری' کا شکار رہتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ حالات کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

① دوپٹے سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''اصل میں ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کی تہذیب و ثقافت کیا ہے اور اُنہیں کن حدود کا پابند رہ کر زندگی بسر کرنی چاہئے۔ دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔ البتہ اسے ایک تہذیبی شعار کے طور پر ضرور پیش کرنا چاہئے۔ اصل چیز سینہ ڈھانپنا اور زیب و زینت کی نمائش نہ کرنا ہے۔ یہ مقصد کسی اور ذریعے سے حاصل ہوجائے تو کافی ہے، اس کے لئے دوپٹہ ہی ضروری نہیں ہے۔''

(ماہنامہ اشراق: مئی ۲۰۰۲ء، ص ۴۷)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک مسلمان عورت کے لئے دوپٹہ یا اوڑھنی کا استعمال کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بس ایک تہذیبی شعار اور رسم و رواج ہے، جبکہ دوسری طرف قرآن مجید کی نص قطعی اور واضح حکم ہے کہ

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ... ﴾ (النور: ۳۱)

''اور چاہئے کہ عورتیں اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں (دوپٹے) ڈالے رہیں۔''

غالباً غامدی صاحب کے ہاں قرآن سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا ہوگا۔

② مارچ ۲۰۰۷ء میں 'جیو ٹی وی' کے پروگرام 'غامدی نامہ' میں اسلام اور پردہ کے موضوع

www.KitaboSunnat.com

پر ایک مذاکرہ ہوا۔ اس مذاکرے کے شرکا میں غامدی صاحب اور تین خواتین: سمیعہ راحیل قاضی، مونا اسلم اور ایک دانشور غزالہ نثار شامل تھیں۔ اس مذاکرے میں غامدی صاحب نے پردے کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور اُنہیں کوئی نہ ستائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس فرمان الٰہی میں موجود شرعی حکم ایک عارضی اور ہنگامی حکم تھا اور منافقین اور یہود کی طرف سے مسلم خواتین کو چھیڑ چھاڑ اور ایذا رسانی سے بچانے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔ اس آیت کا عورت کے پردے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور آج یہ حکم باقی نہیں ہے۔ (اس مذاکرے کی سی ڈی 'اسلام میں پردہ' کے عنوان سے موجود ہے)

یاد رہے کہ غامدی صاحب اس سے پہلے مرتد کے لئے قتل کی سزا، کافر اور مسلمان کی وراثت اور کفار سے جہاد وغیرہ کو بھی وقتی اور ہنگامی احکام قرار دے چکے ہیں اور آج کے دور میں مرتد کے لئے قتل کی سزا اور آج کفار سے جہاد کرنے کے شرعی احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح شریعت کے بیشتر احکام غامدی صاحب کی اس ایک ہی 'لاٹھی' اور 'فارمولے' کی زد میں آ کر ختم ہوجاتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا!!

لیکن ہم اُن کو اُن کے 'استاد امام' مولانا امین احسن اصلاحی کا اس بارے میں موقف پیش کئے دیتے ہیں۔ وہ سورہ احزاب کی آیت ۵۹ کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''اس ٹکڑے ﴿ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اَشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اوّل تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں، سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہوجائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا، کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کرسکتا ہے

www.KitaboSunnat.com

کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں، البتہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہوگئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔'' (تدبر قرآن: جلد ۶/ص ۲۷۰)

نیز اسی آیت (الاحزاب:۵۹) کی تفسیر میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ

''قرآن نے اس جلباب (چادر) سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور انہیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی 'جلباب' ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فیشن کی ترقی سے اب برقعہ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس برقعہ کو اس زمانہ کے دل دادگان اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں لیکن قرآنِ مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے، جس کا انکار صرف وہی برخود لوگ کرسکتے ہیں جو خدا اور رسولؐ سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہوں۔''

(تدبر قرآن: جلد ۶/ص ۲۶۹)

غامدی صاحب کے نزدیک اُمتِ مسلمہ کے تمام علماے کرام تو 'خاک' کے مرتبہ میں ہیں اور پوری اُمت میں سے صرف ان کے ممدوح دو 'علما' ہیں جن کو وہ 'آسمان' کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ غامدی صاحب اپنی کتاب 'مقامات' میں لکھتے ہیں کہ

''میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سُنا ہے، لیکن امین احسن اور ان کے اُستاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت''

('مقامات' ص ۵۷، ۵۸، مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۱ء، لاہور)

لیکن عورت کے چہرے کے پردے کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب کا موقف نہ صرف قرآنِ مجید اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہے، بلکہ اُن کے اپنے 'استاد امام' کے موقف کے بھی خلاف ہے۔ ▣

اطلاع : دسمبر ۲۰۰۶ء اور مارچ ۲۰۰۷ء میں جن قارئین کرام کو رسالہ کی تجدید کا نوٹس بھیجا گیا ہے وہ اوّلین فرصت میں ادائیگی فرمادیں۔ بالخصوص وہ قارئین جنہوں نے دسمبر ۲۰۰۵ء کے بعد سے زرِسالانہ جمع نہیں کرایا، ایک ماہ تک ادائیگی نہ ہونے پر اُنہیں محدث کی ترسیل بند کردی جائے گی۔ محمد اصغر (منیجر 'محدث')

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

ڈاکٹر صہیب حسن، لندن

تذکرہ ابا جان شیخ عبدالغفار حسنؒ رحمانی

یہ تحریر ایک مفصل مضمون کے لئے بحیثیتِ ایک خاکہ ہے، اس لئے جابجا قوسین میں ذیلی عناوین دیئے گئے ہیں جو تفصیل کے طالب ہیں اور تفصیلی مضمون ہی کا حصہ بنیں گے۔ اُمید کرتا ہوں کہ اس خاکہ میں جلد ہی رنگ بھر سکوں گا۔ ص ح

ابا جان کے شجرہ میں اتنا حصہ تو معروف ہے:

عبدالغفار حسن بن عبدالستار حسن بن عبدالجبار عمرپوری بن منشی بدرالدین بن محمد واصل

مورّثِ اعلیٰ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ شیخ حِبّان نامی ایک شخص جن کا تعلق مصر سے تھا، ہندوستان آ کر آباد ہوگئے، ان کا اپنا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ علم وتعلّم کی نسبت سے ہمارے پردادا عبدالجبار نے اس گھرانے کو دنیائے علم وفضل سے روشناس کرایا۔ آباؤاجداد مظفرنگر (یوپی) کے ایک مضافاتی قصبے عمرپور میں آباد تھے اور اسی نسبت سے 'عمرپوری' کہلائے۔ ننھیال کا تعلق رُھتك (کرنال) سے تھا، جہاں ابا جان کی پیدائش ہوئی۔

'عظمتِ حدیث' کے مقدمہ میں ابا جان نے اپنے دادا عبدالجبار اور والد عبدالستار کا اِجمالی تذکرہ کیا ہے، مزید تفصیل ابویحییٰ امام خان نوشہروی کی کتاب 'تراجم علماے اہلحدیث ہند' میں آ گئی ہے۔ پردادا عبدالجبار ہفت روزہ 'ضیاء السنۃ' (کلکتہ) کے ایڈیٹر تھے، جسے اُن کے اپنے برادرِ خورد ضیاء الرحمٰن بحیثیت پبلشر نکالا کرتے تھے۔ اُس دور میں سنت کا دفاع کرنے اور قرآن وحدیث کی دعوت کو عام کرنے میں جن رسائل و جرائد نے بھرپور کام کیا، اُن میں یہ پرچہ سرفہرست تھا۔ خاص طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کی ضلالات اور عبداللہ چکڑالوی کی ہفوات کی خوب خبر لیتا تھا۔ رسالے کے آخر میں خبرنامہ عالم اسلام یا مسلمانوں سے متعلق خبروں کو بھی بالاختصار پیش کیا جاتا تھا۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی جب میں نے برطانیہ میں اسلام کا علم بلند کرنے والوں میں سے ایک شخصیت کے متعلق چند ایسی باتیں اس رسالہ میں درج

www.KitaboSunnat.com

پائیں جو مجھے انگریزی مصادر میں بھی نہ ملی تھیں۔ میری مراد عبداللہ ولیم قویلیم سے ہے۔ جو 'لورپول' انگلینڈ کے ایک صحافی اور بیرسٹر تھے اور جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ۱۸۸۹ء کے لگ بھگ اپنے اس آبائی شہر میں مسجد قائم کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔

ابا جان ۱۹۱۶ء کو اس گھرانے کے لئے عام الحُزن سے تعبیر کیا کرتے تھے کہ اس سال ان کے دادا عبدالجبار عمرپوری نے ۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ چند ماہ بعد والد عبدالستار حسن کا ۳۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (۱۹۱۷ء کا آغاز ہو چکا تھا) اور پھر اپنے اکلوتے بھائی عبدالقہار اور اپنی والدہ اَمتہ المجیب بھی اللہ کو پیاری ہوئیں۔

ابا جان اپنی پھوپھی اَمتہ اللہ اور دادی صاحبہ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے یتیم بھتیجے کو وہ محبت اور شفقت عطا کی جس سے وہ اپنے بچپنے ہی میں محروم ہوگئے تھے۔ [تذکرہ ددھیال اور ننھیال، پردادا اور دادا کے تعلیمی اور دعوتی مراحل کا بیان]

ابا جان کا سن ولادت ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء ہے، پیدائش رُھتك میں ہوئی۔ حیاتِ مستعار کے آخری دو سالوں میں یادداشت متاثر ہوچکی تھی، اس لئے جب میں نے جائے پیدائش کے بارے میں پوچھا تو 'دہلی' کا نام لیا لیکن پاسپورٹ اور دیگر وثیقہ جات میں رُھتك ہی ذکر ہے۔

دہلی کے مدرسہ 'نور الہدیٰ' کشن گنج میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پردادا عبدالجبار نے اُسے 'حسن گنج' کا نام دیا اور اسی مناسبت سے بیٹے کو بھی حسن کا لاحقہ عطا ہوا یعنی 'عبدالستار حسن' لیکن درسِ نظامی کا پورا مرحلہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی میں طے کیا جو کہ دہلی کے ایک مخیّر تاجر عطاء الرحمٰن نے قائم کیا تھا اور یہ مدرسہ اپنی پختہ عمارت، حسن نظامت، جودتِ تعلیم اور عربی کو بحیثیتِ زبان متعارف کرانے میں ہندوستان کے عربی مدارس میں ایک ممتاز مقام رکھتا تھا۔ ابا جان ذکر کرتے تھے کہ یہ رحمانیہ کی عربی تعلیم ہی کا ثمر تھا کہ ابا جان ایک عجمی ہوتے ہوئے بھی مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی میں اٹھارہ سال تعلیم دیتے رہے اور عجمیت اس تسلسل میں قطعاً آڑے نہ آئی۔

مدرسہ رحمانیہ نے جہاں ابا جان کو عربی زبان کا سلیقہ عطا کیا، وہاں شیخ احمداللہ پرتاب گڑھی (جو مولانا محمد یونس قریشی دہلوی کے ماموں تھے) کے توسط سے علم حدیث کی وہ اسناد عطا کی جو ۲۳ واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے اور جو عصر حاضر میں ایک نایاب گوہر کی

www.KitaboSunnat.com

حیثیت رکھتی ہے۔عرب وعجم کے کئی اساتذہ اور طلبہ علم نے ابا جان سے اس اسناد کا إجازۃ حاصل کیا۔

حفیظ الرحمٰن اُن طلبہ میں سے ہیں جنہوں نے ابا جان سے ان کی آخری عمر میں فیض حاصل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ابا جان سے ملا اور اجازہ حدیث حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، کہا کہ کل فلاں وقت آنا، میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا تو فرمایا کہ مصروف ہوں، فلاں نماز کے بعد ملنا، میں وقتِ موعود پر موجود رہا، والد صاحب نے پھر عذر کیا اور ایک اور وقت آنے کی تاکید کی، میں سمجھ گیا کہ میرا امتحان لے رہے ہیں اور شکر ہے کہ میں اس امتحان میں پورا اُترا، غالباً چھ دفعہ کی آزمائش کے بعد بالآخر اجازہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔

یہی طالبِ علم روایت کرتے ہیں کہ ایک اور دوست فیصل آباد سے اسلام آباد آئے، حفیظ الرحمٰن سے ملے اور کہنے لگے کہ شیخ سے ملتے ہیں اور 'اجازہ' بھی وصول کرتے ہیں، میں (یعنی حفیظ الرحمٰن) نے اُنہیں بتایا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔ بہرحال شیخ سے ملاقات ہوئی، اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ کہا کہ تم فیصل آباد سے کس کام کے لئے آئے تھے؟ جواب دیا کہ دوست سے ملنے کے لئے۔ کہا کہ جب صرف اسی غرض سے آؤ گے تو اجازہ دوں گا۔ یہ صاحب چلے گئے اور پھر تین سال ہوگئے، اُنہوں نے پلٹ کر خبر نہ لی، والد صاحب کبھی کبھار مجھ سے پوچھتے، وہ تمہارا دوست کہاں چلا گیا؟

عود علی بدء کے تحت دوبارہ رحمانیہ کے ذکر کی طرف لوٹتے ہیں۔ رحمانیہ میں جن اساطین علم سے فیض حاصل کیا، اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں: مولانا احمداللہ شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ، مولانا عبدالرحمٰن نگرنہسوی، مولانا محمد سورتی، مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ۔

اباجان کا یہ زمانہ عنفوانِ شباب تھا۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا، ملّی وملکی مسائل پر نگاہ رہتی تھی، اس لئے بعض اوقات رحمانیہ کے بورڈنگ کے اوقات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کئی جلسوں میں حاضری بھی دی، جلوسوں میں شرکت بھی کی۔ مدرسہ کی انتظامیہ نے فہمائش بھی کی لیکن حسن کارکردگی کی بنا پر چشم پوشی کی۔ اباجان اُن اجتماعات کا بڑی دلچسپی سے ذکر کرتے ہیں جن میں ہندوستان کے مایہ ناز دماغ جیسے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء

www.KitaboSunnat.com

اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ شرکت کیا کرتے تھے۔ اَحراری اور لیگی چپقلش کو بھی دیکھا اور لیگی و کانگرسی رقابت کو بھی۔ رحمانیہ کے تقریری مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور داد پائی۔

ابا جان، مدرسہ کے مہتمم سیٹھ عطاء الرحمٰن کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔ اُن سے ایک خصوصی تعلق قائم ہوگیا تھا، جو مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے تک قائم رہا، پھر حاسدوں کی پٹی پڑھانے سے اور کچھ اپنی غفلت کی بنا پر اس تعلق میں فتور پیدا ہوگیا، پھر بھی وہ ابا جان کے نکاح کے بعد تقریبِ ولیمہ میں شریک ہوئے اور اپنی طرف سے بھی ولیمہ کا انعقاد کیا۔ یہی وہ گہرا تعلق تھا جو فراغت کے ۲۶ سال بعد کراچی کے مدرسہ سعودیہ (سفید مسجد) سولجر بازار کو دوبارہ دارالحدیث رحمانیہ کا روپ دھارنے پر آمادہ کرسکا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب ابا جان ۱۹۶۳ء میں پنجاب سے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ مذکورہ میں مسندِ حدیث سنبھالی تو اُنہوں نے جہاں مدرسہ کے نصاب میں کئی تبدیلیاں روشناس کرائیں، وہاں مدرسہ کے موجودہ متولی سیٹھ عبدالوہاب (ابن شیخ عطا الرحمٰن) کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی کہ تقسیم کے وقت دہلی کا مدرسہ رحمانیہ اپنی رونقیں کھو چکا تھا، خود مؤسس مدرسہ کا خاندان پاکستان ہجرت کر چکا تھا اور بعد ازاں مدرسہ کی عمارت میں شفیق میموریل سکول کی طرح ڈالی جا چکی تھی، اس لئے بہتر ہوگا کہ سفید مسجد کے اس مدرسہ کو از سرنو مدرسہ رحمانیہ کا نام دیا جائے، چنانچہ سیٹھ عبدالوہاب مرحوم اور ان کی انتظامیہ نے اس تجویز پر صاد کیا اور یوں مدرسہ رحمانیہ دہلی کے احیا کا راستہ کھل گیا۔ [مدرسہ رحمانیہ کے آٹھ سال، تعلیمی سرگرمیاں، نصاب اور طریقہ امتحان، غیر تعلیمی سرگرمیاں، جریدہ 'محدث' سے وابستگی، اساتذہ کا تذکرہ]

ابا جان ۱۹۳۳ء میں جامعہ رحمانیہ سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں بنارس کا رُخ کیا، جہاں مدرسہ سلفیہ اگلے چھ سال کے لئے اُن کی آماجگاہ رہا۔ یہی سلفیہ بعد میں ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا جامعہ سلفیہ کا رُوپ دھارتا گیا اور اس جامعہ کے فارغین اپنے تبحر علمی اور عربی دانی کی بنا پر عرب دنیا میں بھی اپنا لوہا منواتے گئے۔ اس مدرسہ میں والد صاحب کو صحاحِ ستہ جم کر پڑھانے کا موقع ملا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک منتہی طالب علم تدریس کے مرحلہ سے گزر کر ہی مسِ خام سے کندن بنتا ہے۔ یوں تو اُنہیں اس باب میں خراجِ عقیدت دینے والے

www.KitaboSunnat.com

بہتیرے ہوں گے لیکن انہی کی زبان سے ایک شاہد کی شہادت سنتے جایئے.....

والد صاحب کہتے ہیں: جن دِنوں میں اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان) کا ممبر تھا اور جسٹس تنزیل الرحمٰن کی صدارت کا زمانہ تھا۔ کونسل میں یہ بحث چھڑی کہ حاکم یا امیر کی مدتِ امارت متعین ہونی چاہئے یا نہیں، یعنی الیکشن ہو یا نہ ہو؟ میں نے کہا: مدت متعین نہیں ہونی چاہئے۔ خلفاے راشدین اپنی وفات یا شہادت تک امیر رہے ہیں۔ جسٹس صاحب کہنے لگے کہ دلیل لاؤ۔ میں نے وہ روایت پیش کی جس میں اُمرا کی سمع و طاعت کا ذکر ہے اور آخر میں: ما أقاموا الصلاة ''جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں۔'' اُس پر جسٹس صاحب خوش ہوکر بولے، حدیث تو آپ سے پڑھنی چاہئے۔

اگلے چھ سال (۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء) راقم الحروف کی جاے پیدائش مالیر کوٹلہ اُن کا مستقر رہا۔ مشرقی پنجاب میں مالیر اور کوٹلہ کی آبادیوں پر مشتمل تیس ہزار نفوس کی یہ ریاست وہ واحد مسلم ریاست تھی جس نے تقسیم کے وقت فسادات کے موقع پر مہاجرین کے لئے ایک آسرا بہم پہنچایا۔ یہ ریاست مشرق میں سکھوں کی ریاست نابھ، مغرب اور جنوب میں ریاست پٹیالہ اور اس کے کچھ قصبات جیسے دُھوری اور ریاست جیند کے کچھ اَطراف، اور شمال میں ضلع لدھیانہ سے گھری ہوئی ہے۔

ابا جان 'کوثر العلم' مدرسہ میں پڑھاتے بھی رہے اور مسجد اہلحدیث میں جمعہ کا خطبہ بھی دیتے رہے۔ میری (پیدائش نومبر ۱۹۴۲ء) تختی کا آغاز بھی اسی مدرسہ سے ہوا۔ مالیر کوٹلہ ابا جان کی سسرال بھی تھی، اس لئے یہاں کا قیام متعدد مصلحتوں سے وابستہ تھا۔

مالیر کوٹلہ میں جن تلامذہ نے ابا جان سے تعلیم کا آغاز کیا اور پھر عربی دانی میں خوب شہرت پائی، ان میں سرفہرست مولانا عاصم ہیں، جن کا گھرانہ پیشے کے اعتبار سے لوہار تھا۔ عاصم ابا جان کے پاس عربی پڑھتے اور دوسرے دروس میں شریک ہوتے۔ ایک دن اُن کے والد آئے اور خفگی کا اظہار کیا کہ لڑکا تو مسیتڑا ہوا جاتا ہے، وہ اُنہیں اپنے پیشے سے وابستہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک طرف والد کی خواہش اور دوسری طرف طلبِ علم کی شدید لگن، اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ عاصم راتوں رات لدھیانہ تشریف لے جائیں، اور پھر اُنہوں نے بقیہ تعلیمی مراحل عربی کے مشہور انشاء پرداز مولانا مسعود عالم ندویؒ کے ساتھ گزارے اور عربی میں اتنا کمال

www.KitaboSunnat.com

حاصل کیا کہ جماعتِ اسلامی سے وابستگی کی بنا پر مولانا مودودیؒ کی متعدد کتابوں کو عربی جامہ پہنا کر عالم عرب میں روشناس کرایا۔ گو اپنے پیشے سے وابستہ نہ رہے لیکن اس نسبت کو الحدّاد کے لاحقے کے ساتھ وفات تک گلے لگائے رکھا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ!

فسادات کے وقت مسلمانوں کے قافلے اس ریاست میں پڑاؤ ڈالتے، پٹیالہ اور نابہہ سے لٹے پٹے قافلے اس حالت میں مالیر کوٹلہ پہنچتے کہ ایک قافلہ جو چلتے وقت پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھا، مالیر کوٹلہ پہنچتے پہنچتے پانچ سو افراد کا رہ گیا۔ مکئی کی فصل کھڑی تھی، دردمند حضرات اُسی کا دلیہ بنا کر مہاجرین میں تقسیم کرتے۔ مذکورہ قافلہ میں چند مسلح ریٹائرڈ فوجی بھی تھے، اس لئے سکھوں کو سامنے سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی بلکہ نہر کا ایک پل بیل گاڑیوں سے بند کرکے اچانک دائیں بائیں اور پیچھے سے حملہ کیا، اکثر شہید ہوئے، کچھ نہر میں ڈوبے اور بہت کم اپنی جان بچا سکے۔

والد صاحب بتاتے ہیں کہ نفسانفسی کا یہ عالم تھا کہ لوگ عارضی کیمپوں میں ریل گاڑی یا بس کی روانگی کے منتظر رہتے۔ جونہی ٹرین کے کوچ کر جانے کا اعلان ہوا، لوگ بھاگم بھاگ اسٹیشن پہنچے۔ ابا جان نے ایک کیمپ میں ایک معصوم بچے کو دیکھا جو اپنی مختصر زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کے والدین اسے اسی حالت میں چھوڑ کر جا چکے تھے، گویا نقشہ تھا یومِ قیامت کا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾

ابا جان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس غریب الدیار معصوم کو کفنایا اور دفنایا۔ ہم نے مئی ۱۹۴۸ء میں ہجرت کا عزم کیا۔ ٹرین کے اُس سفر کی چند یادیں آسمان پر بجلی چمکنے کے مختصر وقفہ کی مانند لوحِ دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی ہیں، جو ہم نے اٹاری تک کیا تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس گاڑی پر کوئی شب خون نہیں مارا گیا۔ کچھ ڈبوں میں لوٹ مار ہوئی اور خواتین کا زیور اور مردوں کا روپیہ پیسہ چھینا گیا۔ اٹاری سے ایک مال گاڑی کے کھلے ڈبوں میں ساز وسامان کے ساتھ واہگہ ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ ابا جان بتاتے ہیں کہ گاڑی لاہور اسٹیشن پر رُکے بغیر والٹن چلی گئی، جہاں مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں کیمپوں میں پڑے کسمپرسی کا شکار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہیضہ پھوٹ چکا تھا، اس لئے عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ گاڑی سے نہ اُترا جائے

www.KitaboSunnat.com

تا آنکہ اس نے واپسی کا قصد کیا اور لاہور چھاؤنی جا اُتارا۔ [مالیر کوٹلہ کا قیام، ابا جان کے سسرال اور ہمارے ننھیال کا تذکرہ، تدریسی و تعلیمی سرگرمیاں]

جغرافیائی حدود کے اعتبار سے ایک دور ختم ہوا اور پاکستان آمد کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوا لیکن ابا جان جماعتِ اسلامی سے وابستگی کے اس مرحلہ کو جو ۱۹۴۱ء میں شروع ہوا اور ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی پر ختم ہوا اور جس کا دورانیہ ۱۶ سال پر مشتمل تھا، اپنی زندگی کا ایک مستقل مرحلہ گردانتے ہیں اور جماعتِ اسلامی کے ۱۶ سال سے اُسے موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی اپنے تفصیلی مضمون میں اس امر کا لحاظ رکھوں گا اور اسے ایک مستقل عنوان ہی کے ذیل میں لکھوں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ہندوستان جن مسائل میں گھوم رہا تھا کہ ایک طرف کانگرس انگریزوں کا خلیفہ بننے کا خواب دیکھ رہی تھی، دوسری طرف مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی خواہاں تھی، اور یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۹۳۴ء میں تارِ خلافت ٹوٹنے کے بعد سارا ہندوستان محمد علی جوہرؒ کے نعرۂ خلافت سے بھی گونج رہا تھا اور جہاں شاہ خطابت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ولولہ انگیز تقاریر مسلمانوں کو ایک حوصلہ اور پیامِ اُمید پہنچا رہی تھیں اور پھر وہیں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر انگیز تحریریں، 'ترجمان القرآن' میں مسلمانوں کی موجودہ حالت پر اُن کے خیال انگیز تبصرے اور مسلمانوں کو انگریز اور ہندوؤں کی ملی بھگت کے نتیجہ میں ایک ذلت آمیز انجام سے بچنے کی تدبیر کے طور پر رجوع الی اللہ کی تحریک ابا جان کے انقلابی اور اصلاحی ذہن کے لئے انتہائی باعثِ کشش ثابت ہوئی اور وہ اپنا من تن دھن سب کچھ لُٹا کر مولانا مودودیؒ کی دعوت پر لبیک کر اُٹھے۔ وہ جماعت کے تاسیسی اجلاس میں تو نہ شریک ہو سکے لیکن ہرکارۂ ڈاک کے توسط سے جماعت کے اوّلین و سابقین ہی میں شمار ہوئے۔ سرزمین لاہور پر قدم رکھتے ہی اُنہوں نے اپنے مختصر خاندان (والدہ، بڑی بہن اور ہم تین بھائیوں) کو کھنہ بلڈنگ، دالگراں چوک کی دوسری منزل کے ایک کشادہ کمرے میں ہماری منجھلی خالہ کا مہمان ٹھہرایا جو ہم سے قبل ہجرت کر چکی تھیں، پھر اچھرہ جا کر مولانا مودودیؒ کو اپنے سفر کی رام کہانی سنائی اور لوٹ مار کے ان واقعات کا تذکرہ کیا جو ریل گاڑی کے سفر میں پیش آئے تھے۔ مولانا نے ہدایت کی کہ ایک اور رکن جماعت کی معیت میں ابا

www.KitaboSunnat.com

جان بحالی مہاجرین کے کمشنر عطا محمد لغاری سے ملاقات کریں۔ ابا جان کہتے ہیں کہ جب ہم نے کمشنر صاحب سے ملاقات کی اور اُنہیں ساری بپتا سنائی تو اس نے بجائے ہمدردی کے دوبول کہنے کے یہ کہا کہ تعجب ہے، تم لوگ کیسے بچ بچا کر آ گئے!!

ابا جان کے اگلے نو سال راولپنڈی، پھر لاہور، پھر سیالکوٹ اور پھر لاہور کی راہ نوردی میں گزرے۔ طے پایا تھا کہ راولپنڈی میں نوجوانوں کی تربیت کے لئے ایک اقامتی درسگاہ قائم کی جائے اور ابا جان چند دوسرے رفقا کے ساتھ نظامِ تربیت و تدریس سنبھالیں، لیکن یہ درس گاہ اس وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی کہ طالب علم صرف تین مہیا ہوئے جبکہ اساتذہ سمیت سارا سٹاف سات افراد پر مشتمل تھا۔ اس درسگاہ کے طلبہ یہ تھے:

شریف کیانی عرفان غازی رحمت الٰہی

تین ماہ کے بعد، لاہور کی اقامت کے ایک مختصر دورانیے کے بعد ابا جان کو سیالکوٹ کی جماعت کی امارت سونپی گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قادیانیوں کی ہرزہ سرائیوں اور بعض حکومتی اہل کاروں کی طرف سے ان کی سرپرستی کے نتیجہ میں ختم نبوت کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ جلسے جلوسوں میں نہ صرف لاٹھی چارج ہوتا بلکہ آتش و آہن کی بارش بھی ہوتی۔ ہم نے اپنے گھر کی کھڑکی سے کئی ایسے جنازے دیکھے جو اس تحریک کے نتیجہ میں شہید ہونے والوں کے تھے۔ مولانا مودودیؒ کا 'قادیانی مسئلہ' لکھنا حکومت کی نظر میں ساری جماعت کے لئے عتاب کا باعث ہوگیا۔ جماعت کی قیادتِ علیا جیل کی سلاخوں کے پیچھے پابندِ سلاسل کردی گئی تھی۔ ایک صبح حکومت کے گماشتے ابا جان کو بھی گھر سے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر سیالکوٹ جیل روانہ ہوگئے۔ والدہ کو ایک دن بروقت اطلاع مل گئی کہ آج اسیرانِ ختم نبوت کو گاڑی سے ملتان لے جایا جارہا ہے۔ چنانچہ والدہ ہم بچوں کو لے کر اسٹیشن پہنچ گئیں۔ لوحِ دماغ پر ابا جان کی وہ جھلک اب تک مرتسم ہے کہ ڈبے میں سوار، کھڑکی کی سلاخوں کے پیچھے سے ہتھکڑی لگے ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں الوداع کہہ رہے تھے۔

اُنہوں نے اپنی رودادِ حیات بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ بتایا کہ اکثر علما اور اصحاب جبہ وقبہ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت نہ کرپائے اور معافیاں مانگ مانگ کر اپنے گھر کو سُدھارے۔ ابا جان کی اسیری گیارہ ماہ کی حدیں پھلانگ رہی تھی۔ 'سیفٹی ایکٹ' کے تحت چھ

www.KitaboSunnat.com

ماہ بعد اُنہیں عدالت کے رُوبرو حاضر کرنا پولیس کا فرض تھا لیکن اُنہوں نے غفلت برتی، چنانچہ جب گیارہ ماہ بعد اُنہیں عدالت میں پیش کیا گیا اور فاضل جج جسٹس ایس اے رحمٰن کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے Released کہہ کر ابا جان کی فوری رہائی کا حکم صادر کیا۔

سیالکوٹ اور پھر دو سال لاہور کے قیام کے دوران ابا جان نے جماعت کے ارکان کی تربیت کے نقطہ نظر سے 'انتخابِ حدیث' کا مجموعہ ترتیب دیا، جس میں الأدب المفرد (از امام بخاریؒ) کے طرز پر زندگی کے اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں سنتِ نبویؐ کی ہدایات کو جمع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ احادیث نے جماعت کے حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل کی۔ جماعتِ اسلامی ہند نے بھی اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع کئے، اور جب جماعت نے سندھ کے ایک دورافتادہ مقام منصورہ (ہالہ) پر ایک دارالعلوم بسانے کی ایک اسکیم رکھی تو اس دارالعلوم کے نصاب کی تیاری بھی ابا جان ہی کے سپرد کی گئی۔

۱۹۵۵ء کے اَواخر میں جماعت کے ایما پر جائزہ کمیٹی میں شمولیت اختیار کی جسے جماعت کے اراکین سے ملنے اور جماعت میں فکر ونظر کے اعتبار سے اُن خیالات کے اسباب کا جائزہ لینا تھا جو جماعت کی صوبائی الیکشن میں ناکامی، حکومتِ اسلامیہ کے قیام کے سلسلہ میں جماعتی پالیسی میں واقع تبدیلی اور مولانا مودودیؒ سے فکری اختلاف جیسے موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے تھے، اور پھر اس کمیٹی کی رپورٹ کے نتیجہ میں فروری ۱۹۵۷ء کے اجتماع ماچھی گوٹھ میں جماعت کی شوریٰ کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ یہ وہ اجلاس تھا کہ جس میں بعض اراکین نے ۹ گھنٹے بلکہ اس سے زیادہ لمبے عرصہ کے لئے تقاریر کیں۔ یہاں اس موضوع کا احاطہ اس لئے بھی مناسب نہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد جماعت اسلامی کے بارے میں اپنی ایک کتاب میں اس تاریخی داستان کو محفوظ کر چکے ہیں۔

جماعت کے یہ واقعات اراکین کے لئے کتنے حوصلہ شکن اور باعثِ غم تھے، اس کا اندازہ اس حادثہ سے لگایا جاسکتا ہے جو عتیق احمد صاحب کو پیش آیا۔ وہ اسی اجتماع میں شرکت کے لئے ٹرین میں سفر کررہے تھے۔ بہت ہی حساس طبیعت کے مالک تھے، اُن کا تاثر اتنا شدید تھا کہ دماغی حملہ کا شکار ہوگئے۔ ابا جان سے چونکہ عزیز داری تھی، اس لئے اطلاع ملتے ہی اباجان اُنہیں لینے کے لئے فیروز خان پور کے اسٹیشن تک گئے اور اُنہیں بحفاظت ان کی منزل تک

www.KitaboSunnat.com

پہنچایا۔ الحمدللہ علاج معالجے کے بعد صحت یاب ہوگئے اور دوبارہ پھر اپنے کام میں جت گئے۔

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پر طویل بحث ومباحثہ کا ہونا، اس کے نتیجہ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان پر سازش کرنے کا اِلزام لگنا اور پھر اُن سے شوریٰ کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنا، ایسے اُمور تھے جو بالآخر ابا جان کی جماعت سے علیحدگی پر منتج ہوئے۔

مجھے یاد ہے کہ ابا جان مجھے ساتھ لے کر ۶ مئی ۱۹۵۷ء کو عازمِ لائل پور ہوئے، جہاں جائزہ کمیٹی کے ایک دوسرے مستعفی رکن مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ عربی اور دینی علوم کی تدریس کے لئے 'جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس جامعہ کی ایک کمرے سے ابتدا ہوئی جس کا میں پہلا طالب علم تھا۔ میں میٹرک کا امتحان دینے کے بعد صبح کے اوقات میں گورنمنٹ کالج لائل پور کے اساتذہ سے آرٹس کے مضامین (عربی، معاشیات اور انگریزی) میں فیض حاصل کرتا اور شام کے اوقات میں ابا جان سے عربی کی تحصیل کرتا۔ میرا ذکر تو ضمناً آ گیا، مقصود تھا کہ ابا جان کیلئے ایک دفعہ پھر درس وتدریس کا میدان ہموار ہوگیا۔

لائل پور کے ساڑھے چار سالہ قیام میں ابا جان نے جامعہ سلفیہ اور پھر دارالقرآن والحدیث میں منتہی طلبہ کو بھی پڑھایا اور جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے توسط سے نوجوانوں میں عربی کی تحصیل کا شوق بھی اُجاگر کیا۔ لغۃ القرآن الکریم کے نام سے ایک ماہانہ اجلاس کی داغ بیل ڈالی جس میں عربی مدارس کے طلبہ کو شمولیت کی دعوت دی جاتی۔ اُن دنوں ایک عراقی نوجوان صالح مہدی السامرائی، زرعی یونیورسٹی میں زیرِتعلیم تھے، اِخوان کے سرگرم کارکن، اکثر ملاقات کے لئے آتے، ان کی موجودگی کی بنا پر ہمارا عربی اجلاس خوب پررونق ہوجاتا۔ جاپان سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد عرصہ دراز تک جامعہ الملک عبدالعزیز (جدہ) میں پڑھاتے رہے اور اب بھی سعودی عرب ہی میں مقیم ہیں۔

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ سے ابا جان کا رشتہ ٹوٹ ٹوٹ کر جڑتا رہا۔ غالباً ۱۹۶۲ء میں چند ماہ ڈاکٹر اسرار احمد کے قائم کردہ 'حلقہ مطالعہ قرآن' (منٹگمری حالیہ ساہیوال) میں بھی بحیثیت مُربی ومدرس گزارے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے کراچی منتقل ہونے پر ابا جان نے بھی کراچی کا قصد کیا اور جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، جامعہ رحمانیہ کو نئی زندگی عطا کی۔ نصاب کی اصلاح کی، انگریزی زبان کی تعلیم کو روشناس کرایا، بعض قدامت پرست اساتذہ نے مخالفت کا علم بلند کیا۔ ابا جان

www.KitaboSunnat.com

طلبہ کی بھرتی کے لئے لائل پور گئے اور وہیں سے استعفیٰ لکھ کر مدرسہ رحمانیہ ارسال کردیا، ہمارے دوست ہارون الرشید حسّاس کی روایت ہے کہ وہ والد صاحب ہی کی وجہ سے رحمانیہ داخل ہوئے تھے۔ اس وقت تعطیلات پنجاب میں گزار رہے تھے، اُنہوں نے والد صاحب سے ملاقات کی اور اپنے فیصلے پر نظرثانی کی درخواست کی۔ یہ بھی کہا کہ ہم طلبہ تو صرف آپ کی وجہ سے کراچی گئے تھے۔ اس لئے آپ کو ہرصورت کراچی چلنا ہوگا۔ والد صاحب نے کہا کہ پھر میری بھی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ خود مجھے جانے کا اِذن دیں اور دوسرے یہ کہ مدرسہ کے متولی سیٹھ عبدالوہاب خود مجھے دوبارہ آنے کے لئے کہیں۔

ہارون الرشید کہتے ہیں کہ میں نے حکیم صاحب کو اِذن دینے پر اس طرح آمادہ کیا کہ لائل پور میں آپ خود اور آپ کا ادارہ آپ کے اَفکار کو عام کررہا ہے۔ کراچی میں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہے جو آپ کے فکر (یعنی فرقہ بندی سے بلند ہوکر اللہ کے دین کی تبلیغ کرنا) کو پھیلا رہی ہو تو کیا یہ بہتر نہیں کہ مولانا عبدالغفار حسن کراچی میں اس کارِخیر کو انجام دیں۔ دوسری طرف میں طلبہ کا ایک وفد لے کر سیٹھ عبدالوہاب کے پاس گیا اور اُنہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ابا جان کا استعفیٰ قبول نہ کریں۔ سیٹھ صاحب نے اس بات پر بھی آمادگی کا اظہار کیا کہ وہ ابا جان اور اُن پر اُن کے والد عطاء الرحمٰن کی شفقتوں اور تعلقات کو دیکھتے ہوئے بخوشی اُن کے گھر جائیں گے اور اُنہیں دوبارہ رحمانیہ لائیں گے، اور یوں رحمانیہ سے ایک عارضی لاتعلقی کے قلیل عرصہ کے بعد ابا جان دوبارہ رحمانیہ واپس آ گئے۔ [جماعت اسلامی کے ۱۶ سال، مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی رفاقت؛ متفرق واقعات]

مجھے یاد ہے کہ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۴ء کو میرا اور میرے بڑے بھائی کا عقدِ نکاح تھا، ہم دونوں کی شادیاں مولانا محمد یونس قریشی دہلوی کے گھرانہ میں ہوئیں۔ بڑے بھائی شعیب حسن کی مولانا کی بیٹی کے ساتھ اور میری اُن کی پوتی کے ساتھ۔ میں اس وقت تک مدینہ منورہ میں دو سال گزارنے کے بعد تعطیلات پر آیا ہوا تھا، اگلے روز ولیمہ تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے حدیث کے اُستاد شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد دعوتِ ولیمہ کی رونق کو اپنی آمد سے دوبالا کررہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ابا جان کو مدینہ منورہ لے جانے اور اسلامی یونیورسٹی میں حدیث اور علومِ حدیث پڑھانے پر آمادہ کررہے ہیں، انہوں نے مدرسہ رحمانیہ کی بھی زیارت کی، دیکھا کہ ابا جان

www.KitaboSunnat.com

پانچ طلبہ کو جلالین کا درس دے رہے ہیں، کہا کہ یہاں تم پانچ طلبہ کو پڑھاتے ہو، وہاں یعنی مدینہ میں پانچ سو طلبہ کو پڑھاؤ گے!!

ہارون الرشید روایت کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد پاکستان سے اساتذہ کا انتخاب کرنے کے لئے پنجاب گئے تھے۔ مولانا حافظ محمد گوندلویؒ اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ دونوں سے اسی سلسلہ میں بات کی۔ اوّل الذکر تو آمادہ ہوگئے، لیکن مولانا محمد اسماعیل نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ ''میں جماعت اہل حدیث کا امیر ہوں اور میرے لئے ممکن نہیں کہ اپنی جماعتی مصروفیات چھوڑ کر رختِ سفر باندھوں۔ بہتر ہوگا کہ اگر آپ مولانا عبدالغفار حسن کو وہاں جانے پر آمادہ کرلیں۔'' اور یوں ابا جان سے ملاقات کا اہتمام ہوا، ابا جان نے رحمانیہ کی انتظامیہ سے بات کی اور اُنہوں نے بلا تامل کہا کہ اگر بلاوا مدینہ منورہ سے ہے تو ہم کیسے روک سکتے ہیں؟

میں تعطیلات کے بعد واپس مدینہ جانے کے لئے برٹش انڈیا سٹیم کمپنی سے بحرین تک کے دو ٹکٹ بک کروا چکا تھا لیکن ابا جان جامعہ سے اپنے تعاقُد (معاہدۂ ملازمت) کی بنا پر ہوائی جہاز کے چار ٹکٹوں کا استحقاق رکھتے تھے۔ یوں ابا جان کی معیت میں پہلا ہوائی سفر کرنے کا موقع ملا۔ مدینہ میں پہلے دو سال میں نے بورڈنگ میں گزارے تھے، اگلے دو سال ابا جان کے ساتھ ایک ہی مکان میں ہم دونوں رہتے رہے۔ ایک سال بعد والدہ اور چھوٹے بھائی بھی پہنچ گئے اور اس طرح اس گھر کی رونق بڑھتی رہی۔

میں چونکہ دو سال بعد ۱۹۶۶ء اپنی تعلیم مکمل کر چکا تھا اور پھر ۱۹۶۷ء کے آغاز میں سعودی عرب کے دار الإفتاء کی جانب سے عازمِ نیروبی (کینیا) ہوا۔ اس لئے قربت کے لمحے فاصلوں میں بدلتے گئے۔ نیروبی کے ۹ سالہ قیام کے بعد شیخ ابن بازؒ کی ہدایت پر مجھے لندن بھیج دیا گیا، جہاں کی مصروفیات دراز ہوتی ہوئیں اب ۳۰ سال سے متجاوز ہوچکی ہیں۔ ان چالیس سالوں میں میری یہ کوشش رہی کہ ہر سال کی رسمی تعطیلات والدین کے پاس گزریں، یوں جب تک والدین مدینہ رہے، میں وہاں جاتا رہا اور جب ۱۹۸۲ء میں وہ ملازمت کی قانونی مدت گزر جانے پر پاکستان منتقل ہوگئے تو پاکستان آتا رہا۔ گو اس لحاظ سے ہماری باہمی ملاقات کا دورانیہ چھوٹے بھائیوں کی نسبت مختصر رہا لیکن خط و کتابت کے تسلسل نے حالات سے آگاہ رکھا۔ ان چالیس سالوں کو تین مرحلوں میں دیکھا جاسکتا ہے:

www.KitaboSunnat.com

① مدینہ منورہ کا قیام ۱۹۸۲ء تک (اس دوران میری خواہش پر ایک دفعہ نیروبی اور ایک دفعہ لندن کا سفر کیا۔

② ۱۹۹۰ء تک جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ (فیصل آباد) سے دوبارہ وابستگی اور یہی وہ عرصہ ہے جس میں ابا جان اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔

③ ۱۹۹۱ء سے وفات تک (جمعرات ۲۲/مارچ ۲۰۰۷ء) یہ عرصہ اسلام آباد میں گذرا۔ ۸فروری ۱۹۹۲ء کو رفیقۂ حیات، یعنی امی جان داغِ مفارقت دے گئیں۔

اس دوران درس و تدریس کا سلسلہ گھر سے جاری رہا۔ اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے متعدد طلبہ، غیر ملکی احباب اور اساتذہ گھر آ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ 'عظمتِ حدیث' کے نام سے کچھ اپنے مقالات اور کچھ اپنے والد اور دادا کے مقالات کا مجموعہ شائع کیا۔ اسلام آباد میں اپنے گھر سے متصل سیمنٹ کا ایک تھڑا بنوا کر مسجد کا آغاز کیا جو اب ایک مکمل مسجد میں تبدیل ہو چکا ہے۔ بلکہ مسجد کی بالائی منزل میں ایک لائبریری کی سہولیات فراہم کرنے کی طرح ڈالی جا چکی ہے اور عزم یہی ہے کہ اس لائبریری میں ابا جان کا پورا کتب خانہ سما جائے گا تاکہ صدقہ جاریہ کا فیضان ان تک پہنچتا رہے۔

ان تینوں مراحل سے متعلق میری معلومات یا تو اُن شخصی ملاقاتوں پر موقوف ہیں جن کا موقع ہر سال ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے ملتا رہا یا رسائل کے توسط سے اور یا پھر ابا جان کی سالانہ ڈائریاں کہ اُن کی عادت تھی کہ وہ التزام کے ساتھ عربی میں اپنی ڈائری لکھا کرتے تھے لیکن ان کی یہ تحریریں بہت مختصر اور اکثر اشارات کی شکل میں ہیں۔ اس لئے اس طویل دورانیہ کے حالات کو قلم بند کرنے کے لئے مجھے کچھ وقت کی اور قارئین کو کچھ صبر کی ضرورت ہوگی۔

رہا عادات و خصائل، گھر اور باہر کے تعلقات، تو یہ ایک مستقل باب ہے جو تفصیلی مضمون ہی کا حصہ بن سکتا ہے۔ اور میں اس دعا کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تفصیلی مضمون تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور میں ابا جان کے احباب اور تلامذہ سے بھی ملتمس ہوں کہ وہ والد صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات جریدہ 'محدث' یا دوسرے رسائل وجرائد کے توسط سے منظر عام پر لے آئیں تاکہ والد صاحب کی حیاتِ مستعار کے تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرویا جا سکے۔ وباللہ التوفیق!

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی

ہمارے اُستاذ مولانا عبدالغفار حسنؒ

مدینہ منورہ یونیورسٹی کی چند یادیں

ہمارے شیخ محترمؒ کا شمار برصغیر پاک وہند کے اساطین العلم اور شیخ الشیوخ میں ہوتا ہے جن کی علمی، ادبی اور حدیثی خدمات تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے تلامذہ کا سلسلۂ ذہبی وسیع وعریض نظر آتا ہے جن کو احاطہ قلم میں لانا مشکل امر ہے۔ یہ قبولیت عامہ کی ایک واضح اور بین دلیل ہے۔ موصوف کے بارے میں نامور مؤرخ مولانا محمد اسحٰق بھٹی کا مضمون 'محدث' کے شمارۂ اپریل ۲۰۰۷ء میں چھپا جو کافی و وافی معلوماتی ذخیرہ ہے۔ اثنائے کلام میں رقم طراز ہیں کہ

''اکتوبر ۱۹۶۴ء میں بغیر کسی درخواست کے اسلامی یونیورسٹی مدینہ طیبہ سے تدریس کی دعوت آئی۔ ۱۹۸۰ء تک سولہ سال وہاں حدیث، علوم حدیث اور اسلامی عقائد پر محاضرات (لیکچر) دیتے رہے۔''

اس سے قبل اسی قسم کے الفاظ 'الاعتصام' میں مولانا ارشاد الحق اثری کے مضمون میں بھی شائع ہو چکے ہیں جس کے پس منظر کی ان سطور میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

یہ وہ دور تھا جب علامہ البانیؒ کا وجود جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں مرجع العلم والعلماء کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ طالبین علم ہمہ وقت ان کے گرد جمع رہ کر اپنی علمی پیاس بجھاتے، یہاں تک کہ فسحة طويلة (لمبے وقفہ) میں بھی کلاس رومز کے سامنے زمینی مجالس سے بھی سوال وجواب کی شکل میں خوب مستفید ہوتے۔ پھر جمعرات کو چھٹی کے بعد باقاعدہ چند بسیں طلبہ کو لے کر کسی تاریخی مقام پر پہنچ جاتیں جہاں طلبہ آپ کی قیادت میں پڑاؤ ڈالتے اور جمعہ کی شام تک علمی مجالس کا انعقاد جاری وساری رہتا۔ یہ سارا ماحول شائقین علم کے لیے انتہائی مفید اور مبارک سلسلہ تھا جس کا عرصہ تین سالوں پر محیط ہے۔ آخر کار بعض حاسدین کو یہ روح پرور

www.KitaboSunnat.com

مجالس پسند نہ آئیں اور اربابِ اقتدار تک شکایات کا سلسلہ طول پکڑ گیا یہاں تک کہ آپ کو جامعہ سے سبک دوش کر دیا گیا۔اس شنیع حرکت سے جامعہ اسلامیہ میں بہت بڑا علمی خلا پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ان کی جگہ پر کرنے کے لیے شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد کو بطورِ مندوب پاکستان بھیجا گیا تاکہ وہ قابل ترین اساتذہ کی تلاش کر سکیں۔کراچی میں غالباً دارالحدیث رحمانیہ میں ان کی ملاقات شیخنا عبدالغفار حسنؒ سے ہوئی تو ممتاز علمی قابلیت کی بنا پر اُنہیں منتخب کر لیا گیا۔پھر شیخ عبدالقادر گوجرانوالہ پہنچے، جہاں سے بطورِ مدرّس حافظ محمد محدث گوندلویؒ کا انتخاب کر لیا۔ اس امر کی بھی شدید کوشش کی گئی کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی☆ بن جائیں اور تدریسی ذمہ داریوں کو قبول کر لیں لیکن اُنہوں نے باسلوبِ احسن پیشکش کو ٹال دیا۔

آخر کار یہ جلیل شیخین مدینہ یونیورسٹی وارد ہوئے۔محدث گوندلویؒ تو ایک سال پورا کر کے واپس تشریف لے آئے۔ان کے تعاقب میں بھی ایک عربی اور عجمی سازش کارفرما تھی، لیکن مولانا عبدالغفار حسن نے وہاں اپنا سکہ خوب جمایا۔طلبہ ان کی علمیت کے قدردان تھے اور سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ دل کی گہرائی سے ان کی خوب عزت واحترام کرتے تھے۔اس لیے سولہ سال کی طویل مدت آپ وہاں دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔اس دوران مجھے بھی ان کی صحبت سے مستفید ہونے کا خوب موقعہ میسر آیا، جو ربّ العزت کا عظیم احسان ہے۔

اس زمانہ میں آپ مسجدِ نبویؐ کے اندر خوخہ ابی بکر کی جانب، بعد از مغرب معمول کے مطابق صحیح مسلم کا درس دیا کرتے تھے۔بہت سے شائقین علم اس حلقہ میں شرکت اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ایک دفعہ دورانِ گفتگو بندۂ عاجز نے ذکر کیا کہ میرے پاس محدث روپڑیؒ کی علمی تصنیف مظهر النكاة في شرح المشكوة کا کچھ حصہ قلمی شکل میں موجود ہے جو میں نے بذاتِ خود موصوف کے اصل نسخہ سے نقل کیا تھا، وہ نسخہ آپ کی املا سے حافظ عبدالقادر روپڑیؒ کے دستِ مبارک سے شاندار خط میں تحریر شدہ تھا۔اس پر آپؒ نے شدید رغبت کا اظہار فرمایا تو میں نے وہ محفوظ تحریر پیش کر دی جو کافی دیر تک آپ کے پاس رہی۔بعد میں یہ تحریر آپ نے بصد شکریہ واپس کر دی۔

☆ اس واقعہ کی بعض دیگر تفصیلات مولانا مرحوم کے فرزند ڈاکٹر صہیب حسن نے بھی اسی شمارے میں شائع شدہ اپنے مضمون میں پیش کی ہیں۔ دیکھئے صفحہ نمبر ۹۲، شمارۂ ہذا

www.KitaboSunnat.com

مولانا کا خاص امتیاز یہ تھا کہ فخر ومباہات سے کوسوں دور، افادہ اور استفادہ کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔ میں نے ان سے علم الاسانید اور مصطلح الحدیث خوب محنت سے پڑھا جس کا کچھ حصہ میرے پاس محفوظ ہے اور اس سے بوقتِ ضرورت فائدہ اٹھاتا رہتا ہوں۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ اپریل کے اوائل میں وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ کویت کے تحت چار سو سے زائد اہل علم نے مجھ پر صحیح بخاری کا سماع کیا، پھر ان کو إجازۃ الروایۃ سے نوازا گیا۔ اب ماہ جولائی کے پہلے ہفتے پھر اسی وزارت کے تحت کویت میں صحیح مسلم کا سماع بھی ہوگا۔ ان شاء اللہ

اس وقت مرحوم کی صحیح مسلم کے متعلق بعض تحریریں میرے زیر مطالعہ ہیں۔

دورانِ تعلیم ہم چند دوستوں کی عادت تھی کہ فراغت کے اوقات میں آپ کے دولت خانہ پر جمع ہوتے اور مختلف مسائل میں بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری وساری رہتا۔ ہمارے پروگرام کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ ہم چند ساتھیوں نے آپ کے گھر میں غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود کی آپ پر قرات کی بلکہ دقتِ نظر سے صاحب بذل المجھود کے اعتراضات کا جائزہ لے کر حواشی پر ان کے جوابات کو تحریر کیا گیا، یہ نسخہ آپ کی لائبریری کی زینت تھا۔

اُستاذی مرحوم کا ایک کتابچہ 'دین میں غلو' کے عنوان سے مطبوع ہے جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع اور وقیع ہے۔ امریکہ کے لمبے سفر میں اکثر میرے زیر مطالعہ رہتا۔ اس کی روشنی میں اگر کوئی مفصل کتاب لکھنا چاہے تو بآسانی تیار ہوسکتی ہے۔

مرحوم کی آل اولاد کو اللہ ربّ العزت نے عظیم علمی وراثت سے نوازا ہے جو قابل رشک کارنامہ ہے۔ ان میں سب سے نمایاں ہمارے مہربان دوست ڈاکٹر صہیب حسن (لندن) ہیں جن کی دینی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

ہمارے شیخ موصوف کے بعد ان کی نیک آل اولاد اور ہزاروں تلامذہ عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔ ان شاء اللہ **اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ جنۃ الفردوس**

www.KitaboSunnat.com

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان اسلامی لائبریری

المکتبة الرحمانیة

اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

- لائبریری میں ہمہ نوعیت کے موضوعات پر پچیس ہزار علمی ودینی کتابیں موجود ہیں۔
- لائبریری کا نظام معروف بین الاقوامی معیار DDC سکیم کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔
- کارڈ کیٹلاگ سسٹم کی مدد سے مطلوبہ کتاب تک فوری رسائی ممکن ہے۔
- کتابوں تک رہنمائی ورسائی کے لئے علمی شخصیات اور فاضل انچارج کی خدمات حاصل ہیں۔
- جملہ اہم اُردو وعربی تفاسیر اور علومِ تفسیر سے متعلقہ تمام نمایاں کتب موجود ہیں۔
- حدیث، علومِ حدیث اور شروحاتِ احادیث پر مشتمل اکثر وبیشتر مراجع ومصادر میسر ہیں۔
- فقہی مذاہبِ خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات پر مستند علمی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے۔
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا علمی خزانہ دستیاب ہے۔
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ قدیم وجدید تحقیقات کے ساتھ لائبریری کی اہمیت کو دو چند کر دیتا ہے۔
- عالم عرب سے جدید تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہونے والا اہم علمی سرمایہ بھی شامل ہوتا رہتا ہے۔
- لائبریری میں مسجد اور نماز کا انتظام ہے اور فوٹو کاپی کروانے کی سہولت بھی دی جاتی ہے۔
- Ph.D وغیرہ محققین کے لئے علمی رہنمائی اور مشاورت کے علاوہ عوام الناس کی دینی رہنمائی، دارالافتاء اور روحانی علاج معالجے کا بھی معقول بندوبست کیا گیا ہے۔

شعبہ مجلات علمیہ: صدی بھر کے تقریباً ۸۰۰ اہم دینی وقومی رسائل وجرائد کا مکمل ریکارڈ اور ممتاز عربی واُردو تحقیقی مجلّات کی تمام فائلیں دستیاب ہیں۔ ان رسائل سے استفادہ کے لئے یک صد کے قریب 'موضوعاتی فہارس' (انڈیکس) بھی تیار کر کے میسر کئے گئے ہیں۔ لائبریری کا یہ شعبہ ملک بھر میں اپنی نوعیت کا واحد پروگرام ہے جس سے تازہ موضوعات پر تحقیق کے لئے خصوصی مدد لی جاسکتی ہے۔

حالیہ توسیع: گذشتہ ماہ لاہور کے تمام اہم مکتبوں اور اداروں سے خطیر مالیت صرف کر کے تمام اہم کتب لائبریری میں مہیا کی گئی ہیں جس کے بعد لائبریری کی اِفادیت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔

اوقات: صبح ۹ تا ۶ بجے (چھٹی بروز جمعہ) ◉ ایئر کنڈیشنڈ ہال اور مستقل نشستیں

بمقام: **ادارہ محدث** ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 5866476 (لائبریرین: محمد اصغر)

LRL No. 183
Vol.39 NO.5
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور افکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700